(3)-1
67/8/1

عورۃ الحق

قرآن وسنت کی تعلیمات کا علمبردار

الحق

اکوڑہ خٹک

مدیر
مولانا سمیع الحق

اس شمارے میں

نقشِ آغاز	مولانا سمیع الحق	۲
مکتوبِ گرامی	حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ	۵
کمیونزم اور اسلام	علامہ مولانا شمس الحق افغانی مدظلہٗ	۸
اللہ تعالیٰ کی محبوبیت اور مالکیت	شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہٗ	۱۴
چند دن مسجدِ اقصیٰ کی فضاؤں میں	مولانا شیر علی شاہ مدرس دارالعلوم حقانیہ	۲۱
جمعیۃ العلماء ہند کا فیصلہ	مولانا محمد میاں صاحب مدظلہٗ۔ دہلی	۳۱
نبوت کی حقیقت اور اسکی عظمت	حضرت مولانا امین الحق صاحب مدظلہٗ شیخوپورہ	۳۶
سوئے اسلام جو ہم بادلِ دیوانہ چلے	ڈاکٹر عبدالکریم جرمانوس ہنگری / ڈاکٹر علی سلمان۔ فرانس	۳۹
امام شافعیؒ اور شعر	عبدالعزیز سید الاهل قاہرہ / ابن الحسین مولوی محمد اسلم کراچی	۴۶
اسلام اور ملاازم	مولانا غلام محمد صاحب بی۔ اے کراچی	۵۲
دارالعلوم کی چہرسالہ کارگذاری	حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم حقانیہ	صفحہ ۵۶ کے بعد

جلد نمبر۳ — شمارہ نمبر۱ — جمادی الثانی ۱۳۸۷ھ — اکتوبر ۱۹۶۷ء

زرِ سالانہ چھ روپے — فی پرچہ ۵۰ پیسے — غیر ممالک سالانہ ایک پونڈ

مشرقی پاکستان بذریعہ ہوائی ڈاک آٹھ روپے سالانہ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ طابع وناشر نے منظور عام پریس پشاور سے چھپا کر
دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقش آغاز

خداوند قدوس کا بے پایاں فضل و کرم اور اسکی توفیق ہے کہ الحق اپنی زندگی کے دو سال پورے کرکے تیسری منزل پر گامزن ہورہا ہے۔ فللہ الحمد والمنۃ۔ الحق نے دعوت حق کے جادۂ مستقیم پر اپنا سفر جس بے سروسامانی میں شروع کیا تھا اسوقت وہ الطاف غیبی اور عنایات یزدانی خواب و خیال میں بھی نہ تھے جن سے خدائے غیور نے الحق کی یاوری کی۔ گو اس راہ میں سنۃ اللہ کے بموجب صعوبتیں اور دشواریاں ناگزیر ہیں تاکہ کھرے اور کھوٹے کا امتیاز قائم رہے۔ لیبلوکم ایکم احسن عملا مگر استقامت اور خندہ روئی اور ہر حال میں سپاس شکر کامیابی کی شرط اولین ہے ؎

روئے کشادہ باید و پیشانی فراخ — آنجا کہ سطمہ ہائے یداللہ می زنند

یہی جذبہ، شوق اور ولولۂ دعوت حق ہے جس نے الحق کو اس راہ پرخار میں سرگرم عمل رکھا ہے اور وہ زاد سفر رفقائے طریق کی قلت اور حالات کی نامساعدت کا خندہ پیشانی سے سامنا کر رہا ہے۔ اس پرخطرات سفر کی منزل و مقصد نہ تو کوئی دنیاوی منفعت ہے اور نہ کسی مادی اجر و صلہ کا حصول۔ نفع تو کیا بلکہ ایک تہائی سے زیادہ مصارف دارالعلوم ہی برداشت کر رہا ہے ۔ اگر جذبہ و ولولہ ہے تو صرف یہی کہ اس ظلمتکدۂ مادیت میں حق کا یہ فانوس مقدور بھر روشنی پھیلاتا رہے۔ تاریکی جتنی شدید ہوگی اتنی ہی زیادہ قندیلوں کی ضرورت ہوگی۔ اب یہ دینی درد اور ملی احساسات رکھنے والے اصحاب دل پر موقوف ہے کہ وہ ان فانوسوں کو جلائے رکھیں یا اسے باطل کے تلاطم خیز طوفانوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں ۔ مگر اس ذات بے ہمتا کی عزت و عظمت سے تو یہی امید ہے۔ کہ جسطرح اپنی مدد سے اب تک نوازا آئندہ بھی خدا کی یہ روشنی کفر والحاد پر خندہ زن رہے گی۔

ربنا آتنا من لدنک رحمۃ وھیئی لنا من امرنا رشدا ۔

یہ پرچہ دارالعلوم حقانیہ کے اجلاس دستاربندی کے انعقاد کے موقعہ پر نقل رہا ہے۔ دارالعلوم تعلیم و تربیت کے علاوہ ایک تبلیغی ادارہ بھی ہے۔ دعوت و تبلیغ کے مواقع فراہم کرنے کی خاطر مختلف وقفوں سے دارالعلوم ان اجتماعات کا اہتمام کرتا چلا آیا ہے۔ بحمداللہ اکابر علم و فضل اور اہل علم کی شمولیت ملک کے اطراف و اکناف سے آئے ہوئے سامعین کی کثرت اور دین کے اہم مسائل پر سیر حاصل بحث و خطاب کے لحاظ سے یہ اجتماعات نہایت مفید اور دیرپا اثرات کے حامل ہوتے ہیں۔ دارالعلوم کا حالیہ اجلاس جو پانچ سال

کے وقفہ سے ہو رہا ہے۔ خداوند کریم کے فضل سے توقع ہے کہ کامیاب سے کامیاب تر ہوگا۔ اور باہر سے بھی ۱۰،۱۵ ہزار تشنگانِ دین و شریعت اس میں شریک ہوں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اپنے قارئین کو بھی اس محفلِ علم و عرفان کی برکات میں شریک کرانے کے لئے ہماری کوشش ہوگی کہ اجتماع میں کی گئی اہم تقاریر اگلی فرصتوں میں پیش کی جائیں۔ اس موقع پر دارالعلوم کے احوال وکوائف پر مشتمل جو رپورٹ پیش کی جارہی ہے، ہم اپنے قارئین کو بھی اس میں (الحق کے صفحات بڑھا کر) شریک کرا رہے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ دارالعلوم کا یہ اجلاس ملک و ملت کے حق میں زیادہ سے زیادہ مفید اور مثمر برکات ثابت ہو۔ یہاں ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اپنے ان معزز کرم فرماؤں اور قابلِ احترام مہمانوں سے بھی عفو و صفح کی درخواست کریں جن کی کما حقہٗ حقِ ضیافت کوشش اور دلی جذبات کے ہوتے ہوئے بھی اپنے محدود وسائل، ذرائع کی کمی اور واردین کے بے پناہ ہجوم کی وجہ سے ادا نہ ہو سکے گا۔ ع

والعذر عند کرام الناس مقبول

اس اجتماع میں بزرگوں کے ہاتھوں دارالعلوم کے جن فارغ التحصیل فضلاء کی دستار بندی ہو رہی ہے۔ ہم ان کی خدمت میں دلی مبارکباد اور پرخلوص جذبات پیش کرتے ہوئے اتنا عرض کریں گے کہ یہ دستار فضیلت اگر مقام و منزلت کے لحاظ سے سرخروئی دارین کا تاج مرصع ہے، تو ذمہ داری اور تقاضوں کے لحاظ سے اتنی نازک ترین امانت جس کا سنبھالنا پہاڑوں، دریاؤں اور آسمانوں کے بس میں نہیں۔ یہ آپ کی مسندِ وراثت نبوت اور مقامِ دعوت پر فائز ہونے کی علامت ہے۔ اور آپکو زندگی کے ہر اجتماعی و انفرادی موڑ پر اس منصب کی لاج رکھنی ہے۔ اور وراثتِ انبیاءؑ کے تقاضوں کو نباہنا ہے۔ یہ ایک داعی اور نذیر کا مقام اور بلا خوف لومۃ لائم کلمۂ حق کہنے کا منصب ہے۔ اس علم کو مادی اجر و منفعت طمع و حرص، خوف و لالچ اور نفاق و مداہنت کی آلائشوں سے پاک رکھنا ہے۔ پھر اس عہدِ ظلمات نے تو آپکی ذمہ داریاں اور بھی نازک بنادی ہیں۔ نبوت چونکہ آقائے دوجہاں سرورِ کائنات علیہ السلام پر ختم ہو چکی ہے۔ اسلئے کارِ نبوت یعنی دعوت الی اللہ امر بالمعروف تغییر منکر، احقاقِ حق و ابطالِ باطل کا فریضہ امت کی اس جماعت ہی کو ادا کرنا ہے جسے اسکے پیغمبرؐ نے انبیاء بنی اسرائیل کے مشابہ ٹھہرایا۔ (علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل) ان تقاضوں کی رو سے یہ دستار صرف پھولوں کی سیج نہیں بلکہ کانٹوں کا ڈھیر بھی ہے۔ ہمارے امام اعظم سیدنا ابو حنیفہ النعمانؒ نے فارغ ہونے والے اپنے ممتاز تلامذہ کے اہم مجمع میں الوداعی نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:

"اللہ کا واسطہ اور علم کا جو حصہ آپکو ملا ہے اس علم کی عظمت و جلالت کا حوالہ دیتے ہوئے آپ لوگوں سے میری یہ تمنا ہے کہ اس علم کو محکوم ہونے کی ذلت سے بچاتے رہنا ___ آگے چلکر فرمایا ___ امام (مسلمانوں کا حاکم

والا میر) اگر مخلوقِ خدا کیساتھ کسی غلط رویہ کو اختیار کرے تو اس امام سے قریب ترین عالم کا فرض ہوگا کہ اُس سے باز پرس کرے (موفق ج ۲ ص۳۷)"

حضرت الامام کے ان کلمات میں ہم سب کیلئے مقام نصیحت ہے۔ اب یہ آنیوالے حالات پر ہے کہ اس آزمائش اور امتحان میں کون پورا اترتا ہے ــــ

یہ جگر پاش خبر پڑھیئے اور ایک اسلامی مملکت (جو محافظ حرمین الشریفین کہلاتی ہے) کی دینی بے حسی اور بے حمیتی کا جی بھر کر ماتم کیجئے۔ پچھلے دنوں مرزا غلام احمد قادیانی کے پوتے اور قادیانیوں کے تیسرے خلیفہ مرزا ناصر احمد نے یورپ کا جو دورہ چوہدری ظفر اللہ خان کی معیت میں کیا۔ اور اس دورے کو "تبلیغ اسلام" کے لئے جہاد کی صورت میں پیش کیا گیا۔ اس دورے کی فلم بطورِ خاص سعودی عرب میں ٹیلی ویژن پر دکھائی گئی ہے (المنبر۔ لائل پور) ــــ ادائیگی حج کے نام سے مرزائیوں کا سرزمین حجاز میں داخلہ۔ پھر وہاں اونچی سطح پر کانفرنسیں اور اسکے بعد یہ تیسری لرزہ خیز خبر اُس سرزمین کے بارہ میں ہے جسکی فضاؤں میں نبی آخر الزمانؐ کی زبان مبارک سے انا خاتم النبیین ولا نبی بعدی۔ (میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں) کی صدائیں گونجیں اور جس مملکت کی موجودہ دار الحکومت کے گرد و نواح میں خلیفۃ الرسول سیدنا صدیق اکبرؓ نے ایک لشکر جرار کے ذریعہ کذابین کے سرخیل مسیلمہ کذاب کی جھوٹی نبوت کو خاک میں ملا دیا تھا۔ گمراہی اور منکر ہر جگہ قابلِ نفرین ہے، خواہ ارضِ حجاز میں ہو یا مصر و شام میں۔ پھر یہ کیا اندھیر ہے۔ کہ مصر کے مجرم تو یہود و نصاریٰ تک کی صفوف میں کھڑے کئے جائیں۔ اور مرکزِ اسلام میں ناموسِ محمدیؐ سے کھیلنے کی جسارت پر سانپ سونگھ جائے۔ اگر یہ خبر صحیح ہے تو ہمیں کہنے دیجئے کہ سعودی حکمرانوں نے سیدنا صدیق کے شیوہ کو چھوڑ کر ملک کو مسیلمہ کذاب کی راہوں پر ڈال دیا ہے۔ اور پورے عالم اسلام کو فتنہ کے آغاز ہی میں سختی سے ان امور کا نوٹس لینا چاہیئے۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

سمیع الحق

جلسہ کی کامیابی کیلئے دعائیں

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم دیوبند کا مکتوب گرامی

حضرت المحترم المعظم دامت معالیکم

سلام مسنون نیاز مقرون۔ مکرمت نامہ نے سرفراز فرمایا۔ آپ حضرات سے ملنے کو اتنا ہی دل تڑپتا ہے جتنا کہ پیاسے کا دل پانی کیلئے تڑپ سکتا ہے۔ حاضری میں دیری کسی تساہل کی بنا پر نہیں بلکہ مجبوری کی بنا پر ہے۔ ایسے باجذبہ لوگوں پر کسی جلسہ کا توقف سوائے اس کے کہ آپ حضرات کی محبت و خلوص کا مرقع ہے۔ اور کیا عرض کیا جاسکتا ہے۔ میرے بس میں ہو تو میں اڑ کر حاضر ہو جاؤں۔

اس کے سوا جو تاریخیں تجویز فرمائی گئیں ہیں۔ وہی تاریخیں بمبئی میں میرے نواسے کی شادی کی ہیں جس میں سب اہل خانہ جانے والے ہیں۔ اسلئے رجب کا پہلا عشرہ اس میں مصروف رہیگا۔ لیکن اس کے باوجود اگر وہیں بس کا ہوتا تو میں خود تاخیر کیلئے عرض کرتا۔ اس لئے جلسہ میں احقر کی دعائیں شرکت کر سکتی ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ نے کسی موقعہ پر حاضری سہل فرما دی تو میں حاضر ہو کر مستقل جلسہ کر لونگا۔ صاحبزادہ مسلمہ کو دعا۔ اور حضرات اساتذہ کی خدمات میں سلام مسنون۔ اللہ تعالیٰ جلسہ کو کامیاب فرمائے جلسہ میں اگر یہاں کے حضرات آئیں تو میرا سلام کہہ دیا جائے۔

عزیزان سالم و مسلم سلام عرض کرتے ہیں۔

والسلام

محمد طیب از دیوبند

حضرت علامہ مولانا شمس الحق افغانی مدظلہٗ

کمیونزم اور اسلام

اکتنازیت (سرمایہ داری) — اشتراکیت — اسلامی اعتدالیت

معاشی نظریات علم پر ناقدانہ نظر اور معاشیات کا تاریخی پس منظر

"پیٹ اور رزق" عصر حاضر کا سب سے بڑا مسئلہ ہے گویا ڈیڑھ بالشت پیٹ اور معدہ نے پوری دنیا اور اسکی اخلاقی اور دینی اقدار کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ کمیونزم، سرمایہ داری، سوشلزم وغیرہ خوش نما ناموں کے ذریعہ اسے سلجھانے کی سعی کی جا رہی ہے۔ مگر مسئلہ نہ صرف اپنے حال پر قائم بلکہ دن بدن الجھتا جا رہا ہے۔ اگر ایک طرف مغربی سرمایہ دارانہ نظام کا عفریت "انسانیت" کو ہڑپ کر رہا ہے تو دوسری طرف مشرق کی اشتراکیت اپنے حقیقی رنگ و روپ میں سامنے آ رہی ہے۔ جو مساوات کے پردہ میں استحصال، اجتماعی سرمایہ داری اور استبداد و استعمار کے سوا کیا ہے؟ ایک مرکوز اور جابرانہ نظام، زرعی صنعتی غرض انسان کی ہمہ جہتی ترقی میں زبردست رکاوٹ کے سوا اور کیا ہے۔؟ اشتراکیت یورپ کی غیر فطری معاشیات کا رد عمل تھا۔ مگر دم توڑتی ہوئی اشتراکیت کا رد عمل کتنا شدید اور ہولناک ہوگا۔؟ اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ جن لوگوں کی نظر اسلام کے معتدلانہ نظام معیشت اور فطری اقتصاد کے بارہ میں بالکل سطحی ہے۔ یا جو اپنی فکری کج روی اور سلامت طبع سے محرومی کی بنا پر اسلام کے بارہ میں ارتیابیت یا لا ادریت کا شکار ہیں۔ ان کی نگاہیں بھی ان غیر فطری نظامہائے معیشت کی طرف اٹھتی ہیں۔ فکر سلیم سے محرومی کی وجہ سے نگاہوں پر خول پڑھ گئے ہیں۔ اس کے اندر سے جھانک کر کوئی مغربی اکتنازیت کو اسلام سمجھ بیٹھا ہے۔ اور کوئی کیمونزم کو اسلام کے معاشی تقاضوں کی تکمیل سمجھ رہا ہے۔ اس وقت جبکہ پاکستان اور دیگر اسلامی حصوں میں سوشلزم، شیوعیت اور اشتراکیت

یا سرمایہ داری وغیرہ کا فرانہ اقتصادی نظاموں کو "اسلامیانے" کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ ہم نے مناسب سمجھا کہ اپنے معزز قارئین کے سامنے "معاشیات" پر خالصۃً اسلام کا معتدلانہ نقطۂ نظر پیش کر دیں، اس مقصد سے حضرت علامہ مولانا شمس الحق افغانی مدظلہٗ کو توجہ دلائی گئی۔ قسام ازل نے حضرت موصوف کو علمی تبحر، تعمق، فقاہت اور قوت استحضار اور حافظہ کے ساتھ موجودہ معاشی علوم اور معاشرتی مسائل پر بھی گہری بصیرت عطا فرمائی ہے۔ انہوں نے ہماری درخواست قبول فرما کر مشاغلِ کثیرہ کے باوجود اس مسئلہ پر قلم اٹھائی اور موجودہ معاشی نظاموں، اُن کے تاریخی پس منظر، عواقب پھر ان کے ساتھ اسلام کے موازنہ وغیرہ امور پر سیر حاصل بحث فرمائی۔ جزاھم اللہ عنا وعن جمیع المسلمین۔ حضرت مولانا اپنے ایک مکتوبِ گرامی میں فرماتے ہیں۔

"الحق کیلئے کمیونزم اور اسلام کا مضمون سخت مشغولیت کے باوجود لکھ رہا ہوں۔ میں نے عالمی معاشی نظریات کو تین قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ ۱۔ اکتنازیت یعنی سرمایہ داری نظام معیشت۔ ۲۔ اشتراکیت یعنی شیوعی نظام معیشت۔ اوّل مغربی بلاک کا نظام ہے۔ اور دوئم مشرقی بلاک کا۔ ۳۔ اعتدالیت یعنی اسلام کا اعتدالی معاشی نظام" ——— ہماری کوشش ہوگی کہ یہ گرانمایہ مضمون کم سے کم اقساط میں شائع ہو سکے۔ توقع ہے کہ ملک کے ارباب فکر اور دانشور حضرات اسے دلچسپی اور غور و فکر سے پڑھیں گے۔ ——— (سمیع الحق) ———

★

وسائل معاش اور ضروریات کی تحصیل انسان کے سادہ دور میں نہایت آسان اور سہل تھی۔ درختوں کے پھل اور شکار بری و بحری کے گوشت اور سادہ لباس اور معمولی خیموں جھونپڑوں اور کچے مکانات اور لکڑی، چمڑے، ٹھیکرے کے معمولی ظروف اور برتنوں پر انسانی زندگی کا مدار تھا جو نہایت آسان اور سہل الحصول تھے۔ جس کے لئے نہ وسیع سرمایہ کی ضرورت تھی اور نہ اس کے لئے حب مال اور حرص کے شدید جذبے کی ضرورت تھی۔ اور نہ ہی اس کے لئے اقوام عالم میں باہمی تصادم و تنازع کا کوئی اندیشہ تھا اور نہ ہی حرص شدید کی تشنگی بجھانے کے لئے دوسرے ملک پر قبضہ کرنے کی ضرورت تھی تاکہ استحصال اور استعمار کی نوبت آتی۔ اس سادہ طرزِ حیات کے بعد تمدن وجود میں آیا اور اس نے بڑھتے بڑھتے دورِ حاضر میں ارتقائی شکل اختیار کی جسکی وجہ سے معاشی ضروریات اور حاجات کا دائرہ اس قدر وسیع ہو گیا کہ اس دور کے ایک متمدن انسان کی ضروریات کا خرچ سادہ دورِ حیات کے سو افراد کی ضروریات کے خرچ کے برابر ہونے لگا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ متمدن زندگی

کا ہر فرد بیش از بیش سرمایہ فراہم کرنے کے لیے جد و جہد کرنے لگا جس سے سادہ زندگی عیاشانہ زندگی میں اور کفایت شعاری اور قناعت، اسراف اور حرص میں تبدیل ہوئی جو آگے چل کر سرمایہ دارانہ نظام حیات کے لیے سنگ بنیاد بنا۔ عیاشانہ زندگی نے مختلف دوائر میں اپنا عمل ظاہر کیا۔

۱۔ ماکولات | خوراک کے سلسلے میں تعیش نے ظہور کیا اور مختلف الاقسام کھانے وجود میں آئے۔ اور ان کے لیے مختلف ظروف اور برتن ایجاد ہوئے اور میز پر انکو ترتیب کیساتھ رکھنے کے لیے بڑی تنخواہوں کے ماہر الفن ملازم رکھنے پڑے جن کی تنخواہ بعض ملکوں میں پانچ ہزار ماہوار تک پہنچی۔ جو چرچل سابق وزیر اعظم برطانیہ کی تنخواہ کے برابر ہے۔

۲۔ مشروبات | تعیش نے پینے کے دائرہ میں بھی توسیع کی اور شراب کے علاوہ سینکڑوں قسم کی بوتلیں استعمال میں آنے لگیں۔ اور شراب نوشی میں حد سے زیادہ اضافہ ہونے لگا۔

۱۔ امریکہ کے صرف ایک مشروب یعنی شراب کا سالانہ خرچ نو ارب پندرہ کروڑ ڈالر ہے۔ دیکھئے نیویارک کی سرکاری رپورٹ مندرجہ میزان کوئٹہ ۱۹ر جولائی ۱۹۵۲ء۔

۲۔ ملکہ الزبتھ ۲۹ والی کے ایک محفل تاجپوشی میں ۳۴ کروڑ روپے کی شراب صرف ہوئی ــــ دیکھئے رپورٹ مندرجہ امروز ۳ر جون ۱۹۵۳ء اور عام طور پر انگلستان میں سالانہ شراب نوشی پر چار ارب چوہتر کروڑ کی رقم خرچ ہوتی ہے۔ سچ ۳ر مئی ۱۹۳۷ء

۳۔ ملبوسات وغیرہ | مردانہ اور زنانہ ملبوسات میں تمدن حاضر کی برکت سے وہ اضافہ ہوا کہ انسان اور کتوں کے علاوہ بیجان دیواروں کی آرائش کو بھی بیش قیمت کپڑوں سے سجایا گیا۔ اور اسکو تمدن کا لازمی جزء سمجھا گیا۔ ملبوسات کے علاوہ انگلینڈ کی عورتوں کا صرف عطریات کا سالانہ خرچ چھ کروڑ اٹھارہ لاکھ پونڈ ہے۔ انجام ۲ر اگست ۱۹۵۵ء۔ امریکہ میں کتوں کے کلبوں اور تفریح پر سالانہ ۲۵ کروڑ ۵۰ لاکھ ڈالر کی رقم خرچ ہوتی ہے۔ نقاد لاہور جولائی ۱۹۵۳ء۔ برطانیہ کا سالانہ خرچ تفریح ایک ارب ۵۲ کروڑ پونڈ ہے۔ زمیندار ۴ر فروری ۱۹۵۱ء۔

۴۔ مسکن اور غیر فطری ذرائع معاش | سرمایہ داروں نے تسکین خواہشات کے لیے وہ عمارتیں بنائیں اور ان پر وہ گراں بہار قومات صرف کی گئیں کہ جو انسانی آبادی کے بڑے حصہ کی ضروریات حیات کیلئے کافی ہوسکتی تھیں۔ اس کے علاوہ سرمایہ دار افراد نے اپنی تسکین شہوت کیلئے زنا کی دلالی اور رقص و سرود کے وہ پیشے ایجاد کئے جس نے صنف نازک کے ایک بڑے طبقے کو معاشرے کے ضروری کاموں سے کاٹ کر ان غیر فطری اور مخرب اخلاق پیشوں میں لگادیا۔ بلکہ

سرمایہ داروں کی مزید تسکین کیلئے افسانہ نویسی، مسخرہ گوئی اور سینماؤں کی فحش تصاویر کی دنیا بھی وجود میں آئی۔ یہاں تک کہ مسلمان بھی اسکی نقل اتارنے میں فخر محسوس کرتے ہیں جسکو دیکھ کر اقبال مرحوم کو یہ کہنا پڑا ہے ؎

وہی بُت فروشی وہی بت گری ہے۔ سینما ہے یا صنعت آزری ہے

وہ مذہب تھا اقوام عہد کہن کا یہ تہذیب حاضر کی سوداگری ہے

ایک مشہور مسخرے چارلی چپلین کی آمدنی تمام ملکوں کے وزیر اعظموں سے زیادہ تھی ——————۔

۵۔ قماربازی اور سگریٹ نوشی | سرمایہ دار تمدن کی تسکین شہوت جب اسودہ لاسے پوری نہ ہوئی تو تمدن حاضر نے قماربازی کی مختلف شکلوں کو جزو زندگی بنا دیا۔ چنانچہ سرکاری رپورٹ کے مطابق یورپی دنیا صرف قانونی جُوا بازی پر ہر سال تیس ارب ڈالر کی رقم خرچ کرتی جو ایک کھرب روپے سے زیادہ ہے۔ اور جس سے پوری دنیا کی آبادی کئی سال تک پل سکتی ہے۔ غیر قانونی جُوا اس کے علاوہ ہے۔ دیکھئے کوہستان ۳۰ دسمبر ۱۹۵۵ء —— تمدن حاضر کی برکت سے امریکہ میں سالانہ ۴ کھرب ۳۳ ارب سگریٹ خرچ ہوتے ہیں۔ جاپان میں نو ارب۔ برطانیہ میں ایک کھرب گیارہ ارب۔ فرانس میں ۳۶ ارب۔ مغربی جرمنی اور اٹلی میں ۳۶ ارب۔ میکسیکو میں ۲۷ ارب اسی کروڑ۔ کینیڈا میں ۱۲ ارب۔ جنوبی کوریا میں ۱۴ ارب تیس کروڑ۔ فلپائن میں ۱۳ ارب ۳۰ کروڑ صرف ہوتے ہیں۔ دیکھئے رپورٹ مندرجہ انجام ۱۰ فروری ۱۹۵۵ء جسکی قیمت کم از کم پچاس ارب ۵۲ کروڑ پچاس لاکھ روپے ہے۔ جو یقیناً پوری دنیا کی ضروریات کیلئے کافی ہیں۔ لیکن یہ رقم سگریٹ کی شکل میں آگ میں پھونکی جاتی ہے۔ پھر بھی وہ عقلمند کہلاتے ہیں نہ دیوانے۔ لیکن اگر ایک آدمی صرف پانچ روپے کا نوٹ آگ میں جلا دے تو بالاتفاق دیوانہ کہلائے گا۔ ع

ببیں تفاوت راہ از کجا ہست تا بہ کجا

ملک گیری اور استعمار | سرمایہ دارانہ نظام کے مذکورہ شیطانی اخراجات کے لئے چونکہ ملکی آمدنی کافی نہیں ہوتی۔ اس لئے یہ نظام استعمار کو جنم دیتا ہے۔ تاکہ دیگر ممالک کی پیداوار پر قبضہ کرکے ان اخراجات کو پورا کیا جاسکے۔ اس کے علاوہ ان کے اپنے ملک میں اپنی مصنوعات کی مانگ محدود ہوتی ہے۔ اسی لئے ایسے سرمایہ دار ممالک ان زائد مصنوعات کو فروخت کرنے کیلئے دیگر ممالک میں منڈیاں تلاش کرتے ہیں۔ تاکہ اپنی مصنوعات کی نفع بخش تجارت سے اپنی عیاشانہ ضروریات کو پورا کر سکیں۔ اسی قسم کی جدوجہد چونکہ ہر سرمایہ دار

ملک کرتا ہے۔ اسی لئے ہر حکومت چاہتی ہے کہ دوسرے ممالک کو وہ استعمار کی صورت میں زیر اثر رکھ کر اپنی تجارت کو فروغ دے سکے۔ اور ان مستعمرات کو اپنی مصنوعات کیلئے مختص کر سکے۔ دیگر ممالک پر درآمد کا محصول بڑھا دے۔ تاکہ انکی اشیاء کی قیمت نسبتاً زیادہ ہو۔ اور اپنی مصنوعات کا محصول برائے نام ہو۔ تاکہ سستا ہونے کی وجہ سے زیادہ مقدار میں انکو فروخت کیا جا سکے۔ ان استعماری مقاصد کی کشمکش میں اکثر جنگ کی بھی نوبت آ جاتی ہے۔ اور استعماری قومیں آپس میں ٹکرا جاتی ہیں۔ اسی لئے استعمار جنگ کو جنم دیتا ہے۔ اور استعماری قوتوں میں آلات حرب کی تیاری کی دوڑ شروع ہو جاتی ہے۔ اور پھر وہ سرمایہ جنگ کے سامان پر خرچ ہونے لگتا ہے جو ضروریات حیات ہی کیلئے مخصوص تھا۔

آلات حرب کی تیاری میں صرفِ دولت

نظام سرمایہ داری کے تحت ہر مملکت اپنی قوت میں اضافہ کرتی ہے۔ تاکہ دوسرے ممالک ان کے استعماری مقاصد میں خلل انداز نہ ہوں۔ جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ملک کی دولت کا اکثر حصہ گولا بارود کی شکل میں آگ میں پھونک دیا جاتا ہے۔ اور اقوام عالم کی معاشی حالت کمزور ہو جاتی ہے۔ اس وقت استعماری حکومتوں کے جنگی اخراجات حد سے زیادہ بڑھ گئے ہیں۔ لیکن سو دو سال پیشتر کے جنگی اخراجات بھی کچھ کم نہیں۔ ۱۹۵۲ء میں امریکہ کا جنگی بجٹ نوے کھرب ڈالر تھا۔ کوثر ۵ر اپریل ۱۹۵۲ء۔ جس سے صدیوں تک پوری انسانی آبادی کی ضروریات پوری کی جا سکتی تھیں۔ امریکہ نے اتنی بڑی دولت کو خیالی استعماری مقاصد کے لئے صرف کیا یا نذر آتش کیا۔ نوے کھرب ڈالر کی بجائے اگر ایک انسان صرف نوے روپے کے نوٹ آگ میں جھونک دے تو سب لوگ اس کو پاگل سمجھنے پر متفق ہوں گے۔ لیکن نوے کھرب ڈالر برباد کرنے والے امریکہ کو کوئی پاگل نہیں سمجھتا۔ بلکہ سب اس کو عقلمند قرار دیتے ہیں۔ ان ھذا الاشئی عجاب۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ جنگ کے سامان پر رقم صرف نہ کی جائے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ جنگ برائے ظلم پر رقم خرچ نہ ہو۔ کہ ایسی جنگ بڑا انسانی جرم ہے۔ نہ جنگ برائے اقامت عدل کہ وہ درحقیقت بڑی انسانی خدمت ہے۔ اور اس سے عالمی حقوق کے تحفظ کا راز مضمر ہے۔

جنگ شاہان جہاں غارتگری است　　جنگ مومن سنت پیغمبر است

سرمایہ دارانہ جذبہ اور سود

سرمایہ دارانہ نظام کے تحت آجکل سودی کاروبار کی جو وسعت نظر آرہی ہے، اسکی نظیر انسانی تاریخ میں نہیں

مل سکتی۔ سرمایہ دارانہ نظام نے سودی کاروبار کو جزء زندگی بنا دیا ہے۔ یہاں تک کہ سرمایہ دار ملکوں میں کسی محتاج ترین فرد کو پانچ روپے بلاسود بطور قرضہ نہیں مل سکتے۔

اب ہم اکثنازیت اور سرمایہ دارانہ نظام کے وہ نقصانات اور تباہیاں مختصر طور پر بیان کرتے ہیں۔ جو اس نظام کی بدولت مہلک جراثیم کی شکل میں انسانی معاشرے میں پیوست ہو چکے ہیں۔

سرمایہ دارانہ نظام کی دینی تباہی

زوال محبت الہیہ۔ دین کی روح یہ ہے کہ دل میں اللہ کی محبت راسخ اور مضبوط ہو اور قلب پوری یکسوئی کے ساتھ اللہ کی طرف جھکے۔ اسی جھکاؤ کا یہ نتیجہ ہوتا ہے۔ کہ دل پر اللہ کی عظمت اور مخلوق خدا کی شفقت کا رنگ چڑھتا ہے۔ اس سے اللہ اور انسان کے حقوق کے تحفظ کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور پوری زندگی الہٰی ہدایات کے قالب میں ڈھل جاتی ہے۔ لیکن سرمایہ داروں کی محبت کا رخ مال اور سرمایہ بڑھانے کیطرف پلٹ جاتا ہے۔ اور ان کی پوری زندگی سرمایہ میں اضافہ کرنے کیلئے وقف ہوتی ہے۔ اور اللہ اور اسکی مخلوق سے محبت کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے۔ بلکہ حیوانات کیطرح کسی پابندی کو قبول کئے بغیر وہ سب کچھ کر ڈالتا ہے جس سے اس کے سرمایہ میں اضافہ ہو۔ خواہ سود ہو، خواہ رشوت، خواہ غصب و قماربازی۔ گویا سرمایہ اس کے لئے دین سے بغاوت کرنے کا سبب بن جاتا ہے۔ کلا ان الانسان لیطغی ان راٰہ استغنی۔ یوں نہیں بلکہ انسان اللہ کے قانون انصاف کا باغی بن جاتا ہے۔ جب وہ غنی بن جاتا ہے۔

زوال محبت انسانیہ

تکمیل انسانیت کے لئے انسان کو اللہ اور دیگر انسانوں کیساتھ ارتباط ضروری ہے جسکی بنیاد محبت پر قائم ہے۔ جب سرمایہ کی محبت غالب آجاتی ہے۔ تو یہ اللہ اور بنی نوع انسان دونوں کی محبت کو ختم کر دیتی ہے۔ جسکی وجہ سے الٰہی اور انسانی حقوق کی ذمہ داری کا احساس فنا ہو جاتا ہے۔ اور فرد کا رشتہ محبت جماعت سے کٹ کر شخصی مفاد غالب ہونے کی وجہ سے اس سے معاشرے میں بیشمار مفاسد پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور ان میں روز بروز اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ محبت کا تقابلی فلسفہ یہ ہے کہ جب ایک شئے کی محبت میں حد سے زیادہ اضافہ ہو تو اسی تناسب سے دوسری شئے کی محبت میں کمزوری پیدا ہو جاتی ہے۔ بلکہ بالتدریج اسکی محبت فنا ہو جاتی ہے۔ ایک شخص کی دو بیویاں ہوں تو جب ایک کی محبت زیادہ ہو جاتی ہے۔ تو دوسری بیوی کی محبت میں لامحالہ کمی آئیگی۔ اسی فلسفہ کے تحت سرمایہ دار پر حب ذات و مال غالب آجاتی ہے۔ اور حب انسان مغلوب ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ دیگر انسان کی محبت اگر

کسی وقت اس کے دل میں پیدا ہو تو وہ بھی جبکہ اس انسان سے اسکو کوئی غرض اور نفع وابستہ ہو یہ بالواسطہ محبت درحقیقت حب انسان عمومی نہیں، بلکہ حب ذات ہے کہ اسکی ذات کا کوئی فائدہ اس سے وابستہ ہوا ہے۔ ورنہ اس کا دل ذاتی مفاد کے سوا کسی طرف پلٹتا نہیں، نہ خدا کی طرف، نہ بنی نوع انسان کی طرف۔ تو درحقیقت اس کا دل قلب ہی نہ رہا۔ کیونکہ قلب اور دل کا کام پلٹنا ہے۔ وما سمّی الانسانُ الا لانسہٖ وما القلب الا انہٗ یتقلب۔ جب اُنس اور محبت اور دل کا دوسرے کے مفاد کیطرف پلٹ جانا ایک انسان میں باقی نہ رہے تو وہ درحقیقت انسان ہی نہ رہا۔ اگرچہ اسکی صورت انسانی ہو۔ جیسے کاغذی گھوڑا گھوڑے کی صورت رکھنے کے باوجود حقیقی گھوڑا نہیں کہلاتا۔ اسی طرح حب مال میں رنگا ہوا آدمی انسانی صورت رکھنے کے باوجود حقیقی انسان کہلانے کا مستحق نہیں۔ بقول عارف رومی ؂

آنچہ می بینی خلاف آدمی اند نیستند آدمی غلاف آدم اند

سرمایہ دارانہ نظام کی اخلاقی تباہیاں

اس نظام سے اخلاق فاضلہ کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اور اخلاقِ رذیلہ کا استحکام پیدا ہوتا ہے۔

انسانیت کے بلند اخلاقی اقدار حسب ذیل ہیں :—

۱۔ ایثار —— یعنی اپنے مفاد کو دوسرے انسانوں کے مفاد پر قربان کر دینا۔

۲۔ رحمت و شفقت —— یعنی دوسرے انسانوں کی حاجت مندی اور دکھ سے متاثر ہونا اور اس تاثر کے تقاضا پر عمل کرنا۔

۳۔ ہمدردی جسکو عربی میں نصیحت کہتے ہیں، جسکا معنیٰ ہے دوسرے انسانوں کے نفع و ضرر کو اپنا نفع و ضرر سمجھنا اور اس کے مقتضیٰ پر عمل پیرا ہونا۔

۴۔ شجاعت یعنی بہادری جس سے انسانیت کے بلند ترین مقاصد کیلئے جان کی قربانی دینا۔

۵۔ سخاوت۔ بنی نوع انسان کی حاجت روائی کیلئے مال کو قربان کر دینا یہ وہ بنیادی اخلاق ہیں جن کے حسن و خوبی پر اقوام عالم متفق ہیں۔ اور جن کو انسان کے فطری کمالات سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ وہ روشن خوبیاں ہیں، جو تمام انبیاء علیہم السلام کے متفقہ ہدایات کا لب لباب ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام سے انسان جس سانچے میں ڈھل جاتا ہے۔ اس میں ان اخلاق پنجگانہ کے لئے گنجائش باقی نہیں رہتی ——

ایثار سرمایہ دار جب اپنے محتاج بھائی کو بلا سود ایک کوڑی نہیں دے سکتا۔ تو اس میں ایثار کہاں سے آئیگا۔ بلکہ ایثار کی جگہ سرمایہ دارانہ نظام نے اس کے دل میں حرص

اور شخصی مفاد کا جو تخم بو دیا ہے۔ اس کے جذبۂ حرص کا تقاضا تو یہ ہے کہ فقر و افلاس، محتاجی اور مصیبت اور بڑھے تاکہ سودی کاروبار خوب چمکے۔

شفقت اور رحمت اور سرمایہ داری

ایسا شخص جسکو سرمایہ دارانہ نظام نے سود کا خوگر بنا دیا ہے۔ اور وہ افزائش دولت کے جذبہ سے سرشار ہے۔ وہ اپنی کامیابی اسی میں منحصر سمجھتا ہے کہ فقراء اور محتاجوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہو تاکہ سودی بازار کی خوب چلت ہو۔ اور عوام کی محتاجی سے فائدہ اٹھا کر دولت میں اضافہ کیا جا سکے۔ چور ڈاکو کے لئے یہ ممکن ہے۔ کہ کسی وقت اس کا دل بدل جائے اور شفقت و رحمت کے جذبہ سے سرشار ہو کر چوری اور ڈاکہ چھوڑ دے۔ لیکن سود خور کی سود خوری سے باز آجانا اور تائب ہو جانا ممکن نہیں۔ خاصکر جب قانون وقت میں وہ جرم بھی نہ ہو۔ اس لئے سود خور کا دل انسانی شفقت و رحمت سے خالی ہوتا ہے۔

ہمدردی اور خیر خواہی

جس سرمایہ دار کی روزی اور نفع اندوزی دوسروں کی مصیبت، غربت و افلاس پر مبنی ہو اس میں ہمدردی کا جذبہ کیونکر پیدا ہو سکتا ہے۔ ہمدردی کا معنی تو یہ ہے کہ دوسروں کا نفع اپنا نفع اور دوسروں کا ضرر اپنا ضرر سمجھیں۔ لیکن یہاں تو بقول متنبی دوسروں کی مصیبت کو وہ اپنا فائدہ سمجھتا ہے۔ ع مصائب قوم عند قوم فوائد۔

(باقی اگلے شمارے میں)

دار العلوم کراچی کا دینی و علمی ماہنامہ

البلاغ کراچی

سرپرست :- حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

رجب ۱۳۸۷ھ کے شمارے کی ایک جھلک

- عیسائیت کا عقیدۂ حلول و تجسم
- تحریر و کتابت عہد رسالتؐ میں
- قضیۂ فلسطین کا ایک جائزہ
- حضرت مولانا اصغر حسینؒ کی ایک نادر تحریر
- حضرت تھانویؒ کے مواعظ کی تلخیص۔ اور دیگر مستقل عنوانات۔

سالانہ چندہ چھ روپے

البلاغ۔ دار العلوم کراچی ۱۴

ضبط و ترتیب : ادارہ الحق

اللہ تعالیٰ کی محبوبیّت اور مالکیّت

نماز — زکوٰۃ — روزہ — حج — قربانی جس کے مظاہر ہیں

خطبہ جمعۃ المبارک ۱۷ رمضان المبارک ۱۳۸۶ھ

محترم بزرگو! قرآن مجید تمام عالم کی رہنمائی اور ہدایت کا ذریعہ ہے۔ مسلمان قوم اگر دنیا میں عزت مند اور کامیاب ہوئی تو قرآن کی بدولت ہوئی۔ آج بھی ہم قرآن مجید کی نعمت کی برکت سے سرخرو ہو سکتے ہیں۔ اگر قرآن مجید کی روشنی میں قدم بڑھائیں۔ ہم نماز کی ہر رکعت کی سورۃ فاتحہ میں

نماز میں مغربی تہذیب سے پناہ

اھدنا الصراط المستقیم کی دعا مانگتے ہیں۔ کہ اے اللہ ہمیں سیدھی راہ دکھا دے آگے کہتے ہیں، صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین۔ اے اللہ ہمیں راستہ ان لوگوں کا بتلا جن پر تیری نعمت ہے یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین جن پر خداوندکریم کا انعام واکرام نازل ہوا ہے۔ اور ان لوگوں کی راہ سے بچا جن پر تیرا غضب اترا ہے۔ اور جو قومیں گمراہ ہوکر سیدھے راستے سے بھٹک چکی ہیں — تقریباً تمام مفسرین مغضوب علیھم اور ضالین کا مصداق یہود ونصاریٰ بیان کرتے ہیں۔ یہی یہود ونصاریٰ آجکل مغربی تہذیب کے علمبردار ہیں۔ خاص طور سے امریکہ اور برطانیہ — اللہ تعالیٰ علیم، خبیر، عالم بماکان ومایکون ہیں۔ انکو معلوم تھا کہ امت محمدیؐ کے لئے سب سے بڑا فتنہ یہی تہذیب ثابت ہوگی۔ اور مسلمانوں کو خدا سے برگشتہ کرنے والی قوم یہی یہودی اور عیسائی بنیں گے۔ آج ہماری تہذیب وتمدن، لباس، پوشاک، کھانا پینا، تجارت، زمینداری تعلیم اور ملازمت سب یورپی تہذیب میں رنگے ہوئے ہیں۔ جو ضالین یعنی عیسائیوں کی تہذیب ہے۔ عیسائی اتوار کے دن گرجا جاتے ہیں۔ ہم میں سے

اکثر ان سے دو قدم آگے ہیں۔ سال بھر میں صرف عید کے دن ممکن ہو تو عید گاہ میں چلے جائیں گے۔ گویا عیسائیوں اور بھنگیوں سے بھی نیچے ہو گئے۔ جمعہ کی عبادت بھی چھوڑ دی، عید کی تقریب بھی۔ میلہ، تھیٹر اور سینما اور جوا بازی کے لئے مخصوص کی گئی، جو یہود و نصاریٰ کی تقریبات کا حال ہے۔ گویا مذہب بھی ان کے طرز طریقے پر ہے وہ کھڑے ہو کر کھانا کھائیں تو ہم بھی۔ وہ کھڑے ہو کر پیشاب کریں تو ہم بھی۔ وہ بے حیا ہو جائیں تو ہم بھی بے حیا ہوئے۔ اور جتنا بے حیا ہوئے اتنا ہی کامیاب، جنٹلمین، مہذب کہلائے۔ گویا معاشرہ میں قدر و عزت والا وہ ہے جو پورا فرنگی طرز پر ہو۔ حالانکہ یہود و نصاریٰ وہ اقوام ہیں جن کے ہاتھوں تا حیات مسلمان لغزش کھاتے رہتے ہیں۔ یہی لوگ ہمیں راہ راست سے ہٹا کر ہلاکت و بربادی کی طرف کھینچتے رہتے ہیں۔ اس لئے خدا نے پہلے سے پنج وقتہ نمازوں کی ہر رکعت کے لئے جو دعائیں ہمیں بتلا دیں ان میں بنیادی بات یہی یہود و نصاریٰ کے طور طریقوں سے بچنے کی دعا ہے اور ہر نماز کی ہر رکعت میں اسے بار بار دہرانے کا حکم ہے۔ تاکہ مسلمانوں کو ہر وقت تنبیہ ہوتی رہے کہ ان مغضوب علیہ اور گمراہ اقوام کی تقلید اور پیروی سے اجتناب کرنا چاہئے۔ پھر ہر رکعت میں

عبادت کس ذات کی زیبا ہے؟

خداوند کریم سے ہمارا یہی وعدہ ہوتا ہے کہ ایاک نعبد کہ ہم خاص تیری عبادت کرتے ہیں۔ نہ بت پرست ہیں نہ آتش پرست نہ یہود و نصاریٰ کی طرح دیگر مادی اشیاء کو اپنا معبود بنانے والے ہیں عبادت تو اس ذات کی ہوگی جو ہر قسم کے نفع و نقصان کا مالک ہو۔ اور وہ اللہ رب العزت ہی ہے۔

قل اللّٰھم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء و تعز من تشاء و تذل من تشاء بیدک الخیر انک علی کل شیئ قدیر۔ (تو کہہ اے رسول اللہ ملک و سلطنت کا مالک ہے۔ تو ہی جس کو چاہے ملک دے اور جس سے چاہے چھین لے۔ جسے چاہے عزت دے، جسے چاہے ذلت دے۔ بھلائی تیرے ہی ہاتھوں میں ہے۔ بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے)

اگر ساری مخلوقات جمع ہو کر تمہیں نفع پہنچانا چاہے اور خدا کو منظور نہ ہو تو نہیں پہنچا سکتے اور اگر ساری مخلوقات ضرر اور نقصان پہنچانا چاہے، اور خدا کو منظور نہ ہو تو نہ پہنچا سکے۔ پس لازم ہے کہ ایسے مالک کی عبادت کی جائے — اس واسطے ہم اللہ ہی کی عبادت کا عہد ایاک نعبد سے کرتے ہیں۔ اس عبادت کے کئی مظاہر ہیں۔ اور سب سے بڑی عبادت اور اس کا مظہر اتم نماز ہے۔ نماز میں حقیقی عجز و تواضع اور اظہار عبدیت اور احتیاج ہے۔ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ

کی عظمت اور استغناء کا جتنا اعتراف ہوتا ہے۔ اسطرح کسی اور عبادت میں نہیں ہوسکتا۔ تو مسلمان اپنی عاجزی اور انتہائی تواضع اور تذلل اور ادب و احترام کا اظہار نماز میں اللہ ہی کے سامنے کرتا ہے۔ کہ اے اللہ میں ایک قیدی محکوم اور غلام ہوکر تیرے سامنے دست بستہ حاضر ہوں جیسے تیرا حکم ہو ایسا ہی کرتا ہوں، جھکتا ہوں، کھڑا ہوتا ہوں، کبھی رکوع، کبھی سجدہ کبھی قعدہ میں ہوتا ہوں۔ جو بندگی کے اظہار کے مختلف طریقے ہیں ـــ بندہ خداوندکریم کی عظمت اور اس کے جلال کے سامنے انتہائی تذلل اختیار کرتا ہے ـــ اس وجہ سے نماز خداوند تعالیٰ کی صفت جلال کا مظہر ہے۔ وہ بادشاہ ہے، مالک ہے، نفع ونقصان اور تمام قوت و طاقت کا ـــ اور اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں بن سکتا۔ اتعبدون من دون اللہ مالا ینفعکم ولا یضرکم شیئا۔ (کیا تم عبادت کرنے لگے ہو اس چیز کی جو نہ تمہیں کوئی نفع پہنچا سکے اور نہ نقصان) ایک انتہائی وفادار غلام بھی اپنے آقا کے سامنے ایسے ادب و تعظیم سے پیش نہیں ہوسکتا جسطرح مسلمان نماز میں پیش ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت وسلطنت حشمت وعزت کا تقاضا ہے کہ پورے ادب کا مظاہرہ کریں ـــ تو نماز مظہر جلال بھی ہے ـــ قاعدہ ہے کہ آقا وفادار خادم کو خزانہ کا امین مقرر کرتا ہے۔

زکوٰۃ

مسلمان نے نماز کی شکل میں جب وفاداری کا حلف اٹھایا تو خدا نے خزانہ بھی اس کے سپرد کر دیا ـــ قرآن مجید میں اقیموا الصلوٰۃ کے بعد اٰتوا الزکوٰۃ کا حکم ہے۔ جسکی باہمی مناسبت یہی ہے ـــ معلوم ہوا کہ جو صحیح نمازی ہوگا وہ مالدار بھی ہوگا۔ مال کا مالک رب العزت ہے۔ اور بندہ امین وخزانچی ہے۔ مال کا مالک نہیں۔ تو جو بندہ اپنے کو مال کا مالک نہیں سمجھتا ہے۔ وہ مالک کے حکم پر فوراً مال اسکے سپرد کردے۔ اور جو شخص مال کو اپنا ملوک جانیگا، وہ کہے گا۔ کہ میں اپنے مال کو دوسرے کے حکم پر کیوں دوں ـــ تو زکوٰۃ دینا علامت ہے کہ مالدار اپنے کو مالک نہیں سمجھتا تو رب العزت کی صفت مالکیت کا تقاضا ہے۔ کہ زکوٰۃ دیں۔ جیسے آج کی حکومتیں حاکمیت ہی کی وجہ سے مالیہ اور محصول وصول کرتی ہیں۔ حکومت والے اگر کرسی سے ہٹ جائیں تو ان کا کوئی حق نہیں رہتا نہ مانگ سکتے ہیں۔ اور نہ کوئی دیتا ہے۔ یہ حکومت کی طاقت، اور دباؤ کا تقاضا ہے۔ تو خداوند تعالیٰ تو سارے بادشاہوں کا بادشاہ اور احکم الحاکمین ہے اگر مجازی حاکم ہمارے اموال کا کوئی حصہ ہم سے لے سکتا ہے تو کیا احکم الحاکمین مالک حقیقی کا کوئی حق نہ ہوگا؟ کاشتکار زمیندار یعنی مالک زمین کو حصہ دیتا ہے کہ ملکیت زمین اسکو حاصل ہے۔ جسکا تقاضا ہے کہ وہ اپنا حصہ لے

توکیا جسکو سارے جہان کا مالک سمجھا جاوے اور وہ واقعی سب سے بڑا حاکم ہے اور طاقت والا ہے توکیا بندہ ایسے حاکم اور مالک کا مقرر کردہ حصہ عشر، ربع، ربع الخمس، خمس، زکوٰۃ، صدقہ فطر، قربانی وغیرہ بخوشی ادا نہ کرے گا ــــ؟ جس طرح موت وحیات، تندرستی، عزت و ذلت کا وہی مالک ہے۔ اسیطرح وہ رحیم وکریم بھی ہے۔ بندہ پر اس کے احسانات وانعامات کا کوئی حد وحساب نہیں، شمار سے باہر ہیں۔ وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا۔ (اگر تم اس کے احسانات شمار کرنا چاہو تو نہ گن سکو۔)

انعاماتِ خداوندی

بارش بند ہو تو وہی برساتا ہے۔ خشک سالی ہو تو وہ مہربان آقا اپنے غلاموں کی بے کسی پر رحم کرکے آباد سالی کر دیتا ہے۔ ہماری پیدائش سے پہلے ہمیں بطن مادر میں رکھا۔ نو ماہ تک لطیف غذا دیتا رہا۔ اسی جگہ سردی اور گرمی سے ہماری حفاظت کرتا رہا، جبکہ ہمیں کسی چیز کی خبر نہ تھی۔ مگر غذا ملتی رہی۔ جس وقت اس زمین میں آئے تو مشفق مہربان ماں کے سینے میں دودھ کے چشموں کا انتظام فرمایا۔ دانت نہ تھے۔ نہ کچھ غذا کھا سکتے تھے۔ نہ ہضم کر سکتے تھے۔ خداوند تعالیٰ نے خون کو لبن خالص میں تبدیل فرماکر دو ڈھائی سال تک ہمیں خوراک سے بے فکر رکھا۔ جوان ہونے تو دیکھا کہ زمین پر ہمارے لئے دریا جاری ہیں۔ ہوائیں چلتی ہیں۔ قسم قسم کی سبزیاں، میوے اور غلے اگتے ہیں۔ آسمان پر چاند، سورج، تارے بنے ہیں۔ جو سب کے سب ہماری خدمت میں مشغول ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہر وقت ہر آن ہر سیکنڈ میں ظاہری وباطنی نعمتوں کی بارش ہے۔ اپنی آنکھوں کو دیکھئے کیا عجیب روشنی ان سے نکل رہی ہے۔ کان کو دیکھئے کیا عجیب مشین ہے۔ کہ بغیر بیٹری اور بجلی کے آنکھ اور کان کام کر رہے ہیں۔ اپنی زبان کو دیکھیں کیا عجیب پٹرول اس میں خدا نے ودیعت کیا ہے۔ کہ مسلسل چلتی رہتی ہے۔ مگر سوکھتی نہیں۔ غرض سر سے پاؤں کے ناخنوں تک کروڑ ہا انعام ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ دنیا کی زندگی کو ہم نے سب کچھ فرض کر لیا ہے۔ اور آگے کا خیال تک نہیں نہ اس کا احساس ہے۔ کہ منعم حقیقی کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے۔ اس کے احسانات کا کیا شکریہ ہم نے ادا کیا۔ غرض جب خداوند تعالیٰ علیم ہے۔ اور کمال جمال کا مالک ہے۔ اور اس کے احسان وکرم کی کوئی حد نہیں، رحمٰن ورحیم ہے تو اسکی شان معشوقیت اور محبوبیت کی ہوئی۔ حسن اور جمال اور کمال واحسان کا تقاضا ہے کہ اس کے ساتھ انتہائی محبت پیدا ہو۔ اور اسکی محبت میں بندہ سرشار رہے۔ تو روزہ اور حج اسکی شان جمالیت کا مظہر ہیں ــــــ

روزہ

ایک عاشق مجازی کے لئے درجہ عشق کی ابتداء یہ ہے کہ وہ کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے۔ اس کے کاموں کا سارا نظام الاوقات ہی بدل جاتا ہے۔ طبیعت مضمحل اور پژمردہ رہتی ہے۔ اٹھنے بیٹھنے سونے میں فرق آجاتا ہے۔ محبوب کے تصور اور خیال میں مستغرق رہتا ہے۔ لذائذ حیات ترک کر دیتا ہے۔ حلال خواہش بھی پوری نہیں کرتا۔ اس کا کسی سے سروکار نہیں۔ بلکہ اسے اگر کوئی گالی دے، چھیڑے، جھگڑا کرے تو وہ جھگڑتا نہیں، نہ گالی گلوچ دیتا ہے۔ یہ حالت اللہ تعالیٰ کے اس عاشق کی ہو جاتی ہے جس کا نام روزہ دار ہے۔ نہ کھانا نہ پینا نہ خواہشات کی پرواہ۔ روزہ ترک اکل و شرب اور ترک جماع اور راتوں کو جاگنے سے عبادت ہے۔ پھر جب کوئی اس سے جھگڑتا بھی ہے تو یہ جواب نہیں دیتا۔ اس لئے حدیث میں فرمایا گیا: فان سابّہ او قاتلہ احدٌ فلیقل انی صائم۔ (پس اگر کوئی اسے گالی دے یا اسے مارے پیٹے تو یہ کہے میں تو روزہ دار ہوں) روزہ دار سے کوئی جھگڑے یا اسے گالی دے تو وہ جواب نہیں دیتا کہ میں تو روزہ سے ہوں مجھے ان دھندوں سے کیا غرض ــــ اس کے عشق کا پہلا مرحلہ رمضان کے پہلے بیس دن ہیں جن میں نہ دن کو کھانا پینا نہ رات کو آرام۔ دل کا لگاؤ کسی دوسری ذات سے ہے۔

اعتکاف

عشق نے ترقی کی بیس تاریخ کو گھر بھی چھوڑ بیٹھتا ہے۔ اور مسجد میں جو خدا کا گھر ہے ڈیرہ ڈال دیتا ہے۔ اب رات کو اہل و عیال سے اختلاط کی جو گنجائش تھی وہ بھی ختم ہوئی، اور دنیا کے تمام غیر ضروری مشاغل بھی ممنوع ہوئے ــــ اعتکاف عکوف سے ہے جس کا معنی ہے اپنے آپ کو بند کرنا۔ اس لئے اس کا ثواب حج اور عمرہ کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ آج حج کرنے میں کتنے موانع اور مشکلات ہیں۔ تو رمضان کے عشرہ اخیر کا اعتکاف جس نے کیا اسے حج جتنا ثواب حاصل ہوا گو اس سے حج کا فریضہ ساقط نہیں ہوگا۔ مگر ثواب اتنا ہی ملے گا۔ نوافل فرائض کے قائم مقام نہیں ہو سکتے۔ اگر کسی نے ہزار نیکیاں بھی نوافل کی شکل میں کیں تو اسکی وجہ سے کسی فرض عبادت سے ذمہ فارغ نہیں ہوگا۔ بہرحال ثواب مل جائیگا۔ محبت خداوندی کا پہلا اثر ابتداء رمضان سے شروع ہوا کہ اس کا دل غیر اللہ سے اچاٹ ہوا تھا۔ مگر اہل و عیال کیسا تھ کچھ مخالطت تھی۔ مگر اب تو یہاں تک تو بالکل بند کر دیا۔ گھر جانا، بازار جانا، دنیاوی مجالس میں بیٹھنا بھی چھوڑ دیا کہ اے اللہ میں تو تیرے در پہ پڑا ہوں۔ جبتک بخشش نہ ہوگی اور رضا حاصل نہ ہوگی تیرے در سے بستر نہ اٹھاؤں گا۔ آج بھی اگر کسی سے جان بخشی کرائی جائے تو اس کے ڈیرہ پر بستر جما بیٹھتے ہیں۔ وہ پہلے آزماتا ہے کہ سچا ہے یا نہیں۔ پھر جب اسکی صداقت ظاہر ہو تو

سنگدل سے سنگدل بھی معاف کر دیتا ہے۔ تو بندہ اللہ تعالیٰ سے جو رحمان و رحیم ہے معافی مانگتا ہے کہ اسے اللہ ہر طرح خطاوار ہوں، معاف فرما دے۔ پھر اللہ کی رحمت جوش میں آجاتی ہے۔ رمضان المبارک کی ہر رات اسکی طرف سے مغفرت و بخشش کے لئے اذن عام ہوتا ہے۔ اور حسب ارشاد نبوی ہر رات قبیلہ بنو کلب کے ریوڑ کے بالوں کی تعداد میں مجرم اور گنہگار بخشے جاتے ہیں۔ تو کیا وہ اپنے اس بندہ کی بخشش نہیں کریگا۔؟ یقیناً بخشے گا۔ اعتکاف کی اس اہمیت کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر بہت زور دیا۔ یہاں تک کہ عورتیں بھی گھروں میں اعتکاف کر سکتی ہیں۔ محلہ کی مسجد میں اگر کم از کم ایک شخص نے اعتکاف کیا تو سنت کفایہ پر عمل ہوا۔ سب کا ذمہ فارغ ہوا۔ ورنہ سارا محلہ یا سارا گاؤں تارک سنت ہوگا۔ جیسا کہ جنازہ فرض کفایہ ہے۔ بعض نے ادا کیا تو ٹھیک ورنہ سارا گاؤں گنہگار ہوگا۔ اسی طرح علم دین کا حصول فرض کفایہ ہے کہ ہر ملک اور ہر علاقہ میں ایک ایسی جماعت ہو کہ وہ زندگی علم حاصل کرتے اور اپنی قوم کی رہنمائی اور ہدایت میں خرچ کرتے۔ ورنہ سارا علاقہ سارا ملک اور پوری قوم گنہگار اور تارک فرض ہوگی۔ جو جماعت حصول علم دین میں زندگی صرف کر رہی ہے۔ وہ پوری قوم اور پورے ملک پر احسان کر رہی ہے۔ یہی حال معتکف کا ہے۔ کہ اس نے مسجد میں اعتکاف کیا تو خود بھی مستحق اجر ہوا۔ اور لوگوں کا ذمہ بھی فارغ کرا دیا۔ کہ سب کو ترک سنت سے بچا لیا۔ اس وجہ سے ہندوستان میں لوگ اعتکاف کرنے والوں کا بڑا احترام کرتے تھے۔ لوگ بڑے بوڑھوں کو راضی کر کے منت سماجت کر کے مسجد میں بٹھا دیتے کہ سب کا ذمہ فارغ ہو۔

حج

الغرض عشق اور محبت الٰہی کی جو آگ رمضان المبارک سے بھڑک اٹھی تھی، وہ سلگتی رہی۔ عشق میں ترقی ہوتی رہی۔ کھانا پینا چھوڑ دیا اس کے بعد گھر بار بھی۔ مگر جب عشق کا غلبہ اور زیادہ ہوا تو گھر بار کے ساتھ گاؤں، ملک اور وطن سے بھی دستبردار ہوا۔ اب عشق جب آخری مرحلہ پر پہنچا تو محبوب حقیقی کی تلاش میں ملک ملک اور صحرا بصحرا پھرنے لگا۔ اس حالت میں نہ اسے آرام و راحت کا خیال ہے۔ نہ اپنی صفائی اور زیب و زینت کا، نہ دوکان کی خبر ہے، نہ زمین اور تجارت کی۔ اسی خیال سے وہ مارا مارا پھرتا ہے۔ سر کے بال بکھرے ہوئے ہیں، بدن میلا کچیلا ہے۔ نہ ایسے سلے ہوئے کپڑے ہیں، جو میلے رنگین ہیں۔ گویا اسے کسی چیز کی خبر نہیں۔ اگر کسی نے مارا پیٹا، گالیاں دیں، تو جواب نہیں دیا۔ عشق کو روکا ہے لڑائی اور نفس پرستی کا کوئی احتمال تک نہیں۔ عشق کی یہ حالت اسلام میں حج سے تعبیر کی جاتی ہے۔ اور رمضان کا مہینہ ختم ہوتے ہی اشہر حج

شروع ہوجاتے ہیں۔ گھر بار چھوڑ کر مسجد میں آ بیٹھا تو وہاں سے خیال آیا۔ کہ خدا کا گھر اور محبوب کی تجلیات کا ایک بڑا مرکز تو خانہ کعبہ ہے۔ تو محبوب کی تلاش میں سرگرداں سفر حج پر روانہ ہو جاتا ہے تصور یار میں مجنون کی طرح نغمے الاپتا ہے۔ وہ عشق میں پرند چرند سے بھی باتیں کرتا ہے اور کہتا ہے ؎

یااللہ یا ظبیات القاع قلن لنا　　　　لیلای منکن ام من البشر

اے آہوان صحرا تمہیں خدا کی قسم مجھے جواب دیجیو کہ لیلیٰ تم میں سے ہے یا انسانوں کے　　سے ہے۔

مگر اس عاشق حقیقی کا نغمہ تو تلبیہ ہے۔ لبیک اللھم لبیک لاشریک لک لبیک ان الحمد والنعمۃ لک والملک لاشریک لک ــــ جب اسکے گھر پر نظر پڑ جاتی ہے تو دیوانہ وار اسکا طواف کرنے لگتا ہے۔ کبھی ایک کونہ اور کبھی دوسرا چھوتا ہے۔ کہ کہیں معشوق کا سراغ لگ جائے۔

عرفات

پھر وہاں سے خیال آیا کہ شاید آبادی سے باہر محبوب ملے تو دیوانگی میں صحرائے عرفات پہنچتا ہے۔ وہاں سے مزدلفہ اور منیٰ غرض جہاں بھی امید لگے وہاں ڈیرہ ڈالتا ہے کہ وصال اور رضائے محبوب حاصل ہو ــ درمیان میں ناصح نادان نے ملامتی شروع کر دی یعنی ابلیس دل میں وساوس ڈالنے لگا کہ یہ عشق تمہیں کہاں کہاں پھرائے گا۔ اس عشق نے تو تمہیں دیوانہ بنا دیا۔ اس محبت خداوندی کے چکر سے نکل آؤ تو عاشق خداوندی سات پتھروں سے اسے مارنے لگتا ہے جس کا نام ہے رمی جمرات۔

قربانی

عشق کا آخری درجہ یہ ہے کہ عاشق اپنی جان کو بھی محبوب کے پاؤں میں رکھ کر قربان ہو جائے۔ جیسے پروانہ عاشق مجازی ہے شمع کا۔ تو چراغ کے گرد چند طواف اور چکر لگا کر اور چراغ کی روشنی میں غوطہ لگا کر جان دیدیتا ہے۔ ؎ کار عاشق خون خود برپائے جانان ریختن ــــ تو حاجی بھی اپنے آپ کو قربانی کیلئے پیش کر دیتا ہے۔ مگر محبوب حقیقی کیطرف سے ندا اور آواز پہنچتی ہے ــ کہ لاتقتلوا انفسکم تم اپنے آپ کو قتل مت کرو۔ اپنی جان کے بدلے کسی محبوب جانور دنبہ یا گائے یا اونٹ کو ذبح کر دو۔ یہ تمہاری جان کے بدلہ میں جان ہے۔ جو ہم تمہاری قربانی کی بجائے منظور کرتے ہیں ــ تو بھائیو! کسی کی فرمانبرداری کسی خوف یا طمع یا محبت کیوجہ سے کی جاتی ہے۔ خداوندکریم مالک نفع وضرر ہے۔ تو خوف وطمع دونوں پائے گئے۔ اور موصوف باوصاف الکمالیہ ہے۔ اور محسن ہے۔ لہٰذا محبوب ہوئے۔ اور محبوب کی فرمانبرداری عاشق کیلئے موجب اطمینان وتسکین ہے۔ حج اور روزہ سراسر محبوب کے حسن وجمال کے جلوہ کا تقاضا ہے۔ اور اسکے فضل وکمال کا آئینہ دار ہے اور نماز وزکوٰۃ اسکی عظمت وجبروت اور جلال کا تقاضا اور اس لحاظ سے اسلام کی یہ اساسی عبادات ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں محبوب حقیقی کے جلال وجمال کا صحیح احساس اور بندگی کی صحیح ادائیگی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

چند دن مسجد اقصیٰ کی فضاؤں میں

مولانا شیر علی شاہ صاحب مدرس دارالعلوم حقانیہ

(تیسری قسط)

جنگ سے یہ چند دن قبل کے مشاہدات

بیت المقدس میں پندرہ روزہ قیام کے بعد مضافات اور مضافاتِ مقدس دیکھنے کا عزم کیا۔ بستر زاویہ ہندیہ میں ساتھیوں کے پاس چھوڑا اور گرم کمبل اپنے ساتھ لے لیا۔

عیزریہ موقف الباصات (بس سٹینڈ) سے عیزریہ تک بس میں ایک گرش لیتے ہیں جو یہاں سے دو کیلومیٹر کی مسافت پر جانب جنوب مشرق کو ایک حسین و جمیل قصبہ ہے۔ حضرت عزیر علیہ السلام کی قبر اس بستی کے درمیان ایک جامع میں واقع ہے۔ جامع سطح زمین سے دس گز نیچے ہے مجاور سے ہم نے وضو کرنے کے لئے پانی دریافت کیا۔ اس نے کہا وہ سامنے کنواں ہے۔ اس سے پانی حاصل کرلیں۔ دیکھا تو پانی ایک گز کی مسافت پر ہے۔ آدمی ہاتھ لمبا کرکے لوٹا بھر سکتا ہے۔ پہاڑی پر پانی کی یہ بہتات قابلِ تعجب ہے۔ مسجد صخرہ کے جانب شمال میں بھی دو تین کنوئیں ہیں مگر وہاں پانی ڈھائی تین گز کی مسافت پر تھا۔ — قبر پر یہ کلمات درج ہیں:

هٰذا ضَرِيحُ نَبِيِّ اللهِ عُزَيْرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ — یہ عزیر علیہ السلام کی قبر ہے۔

اس جامع کے محراب میں یہ آیت جاذبِ نظر خط سے نقش ہے:

اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ	اے محمد مصطفےٰ کیا آپ نے اس شخص کا واقعہ نہیں
عَلٰى عُرُوْشِهَا قَالَ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللهُ	سنا۔ جو اس شہر (بیت المقدس) پر گذرا جبکہ
بَعْدَ مَوْتِهَا فَاَمَاتَهُ اللهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ	یہ شہر مسمار ہوگیا تھا۔ بولا۔ اللہ تعالیٰ اس شہر کو کیسے

بَعَثَهٗ (الآیۃ) ھٰذِہٖ الآیۃ نُزِلَتْ — زندہ کریگا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اسکو سو برس مردہ

فِیْ حَقِّ صَاحِبِ ھٰذَا الْمَقَامِ ۔ — رکھ کر دوبارہ زندہ کیا۔ یہ آیت صاحب روضہ

(عزیر علیہ السلام) کے حق میں نازل ہوئی ہے ــــ ۔۔

حضرت عزیر علیہ السلام کے روضہ کے گرد و پیش رومیوں اور عبرانیوں کے متعدد بڑے گرجے ہیں۔ خاصکر وہ گرجا قابل دید ہے جو روضہ کے جانب مشرق متصل ہے۔ اس گرجے کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ عزیر علیہ السلام کی رہائش گاہ تھی۔ اس گرجہ میں زمین دوز پرانے مکانات ہیں۔ جو قدامت اور مرور ایام کی وجہ سے بوسیدہ ہوگئے ہیں۔ اس قدیم تہ خانہ کی کھدائی کا کام شروع ہے۔ اس میں مزید تہ خانوں کے برآمد ہونے کا سراغ لگایا گیا ہے۔ اس تہ خانہ میں روغن زیتون نکالنے والا وہ آلہ ابھی تک موجود ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ عزیر علیہ السلام کے عہد مبارک کا ہے۔

عیزریہ سے ہم بکبریہ تک پا پیادہ روانہ ہوئے۔ راستہ میں سگریٹ سازی کا ایک بڑا کارخانہ دیکھا۔ بکبریہ ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ یہاں سے شہر بیت المقدس صاف نظر آتا ہے۔ حضرت عمرؓ اسی راستہ سے تشریف لائے تھے۔ بکبریہ سے بیت اللحم تک بس میں سوار ہوئے۔ بیت المقدس سے بیت اللحم تقریباً دس کیلو میٹر ہے۔ اور کرایہ تین گرش ہے۔ اگر درمیان میں یہودیوں کا مقبوضہ علاقہ نہ ہوتا تو مختصر راستہ چار کیلو میٹر ہے۔ راستہ میں "سورباھر" قصبہ دیکھا۔ یہاں کی شاندار جامع مسجد قابل دید ہے۔

بیت اللحم | یہ بہت بڑا شہر ہے۔ یہاں عیسائیوں کی اکثریت ہے۔ یہ شہر پہاڑ پر واقع ہے یہاں کے دلکش خوبصورت مکانات صاف و شفاف سڑکوں اور راستوں۔ چاروں طرف حد نگاہ تک پھیلے ہوئے سرسبز و شاداب باغات نے اس شہر کی رونق کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ شہر کے باہر آپ جہاں بھی نظر ڈالیں گے آپ کی نگاہیں سبزہ زار انگوری پر پڑیں گی۔ نیچے تمام وادیاں، انجیر، زیتون انگور، نارنج، سرو، شریانی، آلوچہ کے درختوں سے لبریز ہیں۔ اوپر پہاڑوں کو دیکھیں تو وہاں بھی باغات کا سلسلہ قائم ہے۔ بیت اللحم میں تین مقدس مقامات ہیں۔ کنیسۃ المہد۔ جامع عمر۔ قبر راحیل علیہا السلام۔

کنیسۃ المہد | یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تھی۔ جسکے بارے میں قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی:

فَاَجَاءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ — پھر لے آیا حضرت مریمؑ کو درد زہ ایک کھجور کے تنے کے پاس ۔۔۔

مجھے ساتھی نے کہا کہ یہاں چشمہ اور کھجور کہاں ہیں۔ میں نے کہا یہ تو ضروری نہیں کہ اب تک وہ کھجور اور

چشمہ باقی ہیں ـــــ اگر قرآن مجید کے لفظ سَرِیًّا کا معنی سردار لیا جائے (جیسا کہ بعض مفسرین فرماتے ہیں قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۔ اے مریم تیرا پروردگار تجھ کو ایک بڑا سردار (عیسیٰؑ) بخشنے والا ہے۔) تو چشمہ کے موجود نہ ہونے کا کوئی اشکال باقی نہیں رہتا ـــــ اور اگر سریًّا کا معنی چشمہ لیں تو بقول مفسرین یہ چشمہ اور کھجور بطور کرامت موجود ہو گئے تھے تاکہ حضرت مریمؑ ان امور خارقہ للعادۃ کو دیکھ کر مطمئن ہو جائے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس خشک زمین پر چشمہ نکالا اور اس خشک درخت پر کھجوریں لگا دیں وہ مجھے بھی بطور خرق عادت بیٹا دینے پر قادر ہے ۔

کنیسۃ المہد مسیحیوں کے تصرف میں ہے ۔ انہوں نے یہاں عظیم الشان پرشکوہ چرچ تعمیر کیا ہے جسمیں سینکڑوں سونے کے چھوٹے جھاڑ فانوس اور کٹورے لٹکائے گئے ہیں مسیح علیہ السلام کی پیدائش گاہ کو مصنوعی تاریکیوں میں گھیر دیا ہے ۔ عیسائیوں کے اکثر و بیشتر عبادت خانوں میں جعلی تاریکی پیدا کرنے کے لئے جا بجا دیواروں پر سیاہ غلاف لگا دئے گئے ہیں ۔ اور بجلی کی روشنی سے ان مراکز کو محروم رکھا گیا ہے ۔ یہاں بھی تمام دیواریں تصویروں سے بھری پڑی ہیں ۔ جس جگہ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی ہے ۔ وہاں مسیحی نذرانے اور شکرانے رکھتے ہیں ۔

جامع عمرؓ | اس کنیسۃ المہد کے سامنے جامع عمرؓ ہے ۔ یہ مسجد دو منزلہ ہے ۔ حضرت عمرؓ نے اس جامع کی بنیاد رکھی ہے ۔ انہوں نے یہاں ہی کنیسۃ المہد دیکھنے کے بعد نماز پڑھی تھی ۔

قبر راحیل | یوسف علیہ السلام کی والدہ محترمہ بی بی راحیل علیہا السلام کی یہ قبر شہر کے جانب مغرب ہے ۔ مقبرہ کے دروازہ کے پاس یہ قبر واقع ہے ۔ یہاں سے پچاس قدم کے فاصلہ پر وہ چوک ہے ۔ جہاں قریۂ خلیل کو جانے والی بسیں ٹھہرتی ہیں ۔ اس چوک کے کنارے ایک دوکان سے میں کھجور خریدنے گیا ۔ دوکاندار میاں بیوی تھے ۔ میں نے آدمی سے کہا کہ دو گرش کی کھجوریں دے دو ۔ اس نے مجھے کھجوریں دیں ۔ اسکی بوڑھی بیوی نے مجھے ایک موٹا سیب دیا ۔ میں نے کہا اسکی کیا قیمت ہے ۔ وہ کہنے لگی ۔ بلاش ۔ میں بلاش کے کلمہ کو نہ سمجھ سکا ۔ میں نے پوچھا : مَا مَعْنَی بَلَاش ۔ اس نے کہا : مَجَانًا ، اَیْ بِلَا قِیْمَۃٍ ۔ ھَدِیَّۃٌ مِنِّی ۔ سوچنے کے بعد معلوم ہوا کہ بلاش بلا شیٔ سے مخفف ہے ـــــ بوڑھی کے اصرار پر میں نے وہ سیب لے لیا ۔ وہ بہت خوش ہوئی ۔

قریۂ خلیل | بیت المقدس سے ۲۵ کیلومیٹر اور بیت اللحم سے ۳۵ کیلومیٹر کے فاصلہ پر ہے ۔ بیت اللحم سے خلیل تک تمام پہاڑی علاقہ باغات سے معمور ہے ۔ اور معلوم نہیں خلیل سے کر کہاں تک باغات کا یہ عظیم مسلسل سلسلہ قائم ہے ۔ بارکنا حولہ کی اگر ظاہری اور حسی برکت دیکھنا چاہیں

تو حرم ابراہیمی کے اس ماحول کو آکر دیکھئے۔ ہم نے شام کی سرسبزی وشادابی اور پھلوں کی بہتات کے متعلق ضرور سنا تھا اور پڑھا تھا۔ مگر آج اللہ تعالیٰ نے اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا شرف بھی عطا فرمایا۔ واقعی ــ شنیدہ کے بود مانند دیدہ ــ سننے اور دیکھنے میں بڑا فرق ہے۔ ہمارے علاقہ کی زرخیز زمین میں بمشکل انگور کا درخت لگتا ہے۔ یہاں پتھروں کے ڈھیروں میں انگور کے یہ گنجان باغات بارگنا حولہ کی زندۂ جاوید حسن تفسیر نہیں تو اور کیا ہے۔ راستہ میں بہت سے چھوٹے قصبے دیکھنے میں آئے جن میں بطریق۔ الصیشہ اور قریۂ خضرؑ بہت خوبصورت ہیں۔ قریۂ خضرؑ کے بارے میں مشہور ہے کہ یہاں خضر علیہ السلام کی قبر ہے۔ شوق ہے کہ واپسی پر اس جگہ کے دیکھنے کے لئے اتروں۔ اکثر صوفیائے محدثین کی رائے ہے کہ خضر علیہ السلام زندہ ہیں۔ روایات میں جو پیشنگوئی وارد ہے۔ کہ دجالی فتنہ کی سرکوبی کے لئے جو نوجوان مدینہ منورہ سے نکلے گا، اور مدینہ کے میدانوں میں دجال سے مقابلہ کرے گا۔ دجال اپنی خدائی ثابت کرنے کے لئے لوگوں سے کہے گا کہ میں اس نوجوان کو قتل کر کے دوبارہ زندہ کردوں تو میری خدائی کا اقرار کرو گے۔ چنانچہ دجال اس نوجوان کو قتل کر کے دوبارہ زندہ کردے گا۔ یہ نوجوان ہنس کر بولے گا۔ اب مجھے تو قتل نہیں کر سکتا کیونکہ میں نے حضورؐ سے سنا ہے کہ دجال دوبارہ قتل کرنے سے قاصر ہوگا۔ دجال اس نوجوان کو دوبارہ قتل کرنے کے لئے ہر حربہ استعمال کریگا مگر ناکام ہو کر یہاں سے بھاگ جائیگا۔ (یہ دجال کے ساحرانہ کرشموں کا آخری کرشمہ ہوگا۔ اور یہ شکست اس کے فرار اور فنائیت کا باعث) حدیث میں جس نوجوان کا ذکر ہے صوفیاء فرماتے ہیں کہ یہ خضر علیہ السلام ہوں گے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وبعض دیگر محدثین کی عبارت سے خضر علیہ السلام کی وفات معلوم ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ خضر علیہ السلام کی پیدائش کی جگہ ہو اور اس وجہ سے قریۂ خضر علیہ السلام سے موسوم ہو۔

ہم عصر کے وقت قریۂ خلیل پہنچے۔ حرم ابراہیمی بس سٹینڈ کے قریب ہے۔ حرم ابراہیمی اس احاطہ کا نام ہے۔ جہاں ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اسباط و اولاد کی قبور ہیں۔ اس جگہ کو مدفن انبیاء اور غار انبیاء بھی کہتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام اور ان تینوں کی ازواج مطہرات اور یوسف علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام کی قبریں تہ خانہ میں ہیں۔ اس تہ خانہ کے اوپر ایک مسجد تعمیر کی گئی ہے۔ ترکی دور حکومت میں سلطان عبدالحمید خان نے اس مسجد میں توسیع کر کے از سر نو عالیشان جامع مسجد کی شکل میں تعمیر کیا ہے۔ بانی کا نام اور تاریخ تعمیر مندرجہ ذیل اشعار میں ذکر ہے۔ جو جامع کے اندرونی دروازہ پر کندہ ہیں۔

۱۔ عَبْدُ الحمید لہ المآثر تحمد وإلیہ مسعی الخیر دوما یسند

۲۔ وبامرہ هذا البناء جُدّدت فی المسجد السامی الخلیل لتشھد

۳۔ فاللہ یمنحہ الذی یرقی بہ من طول عمر بالمبرۃ یرشد

۴۔ ان تسئلن عن ظل عصر ارّخن قل ظلّہ عبد الحمید الامجد

۱۳۱۳

۱۔ سلطان عبدالحمید خاں کے مناقب قابل ستائش ہیں۔ اور نیک مساعی کی نسبت ہمیشہ ان کی طرف ہوتی ہے۔

۲۔ اسکی فرمائش پر خلیل کی اس بلند پایہ مسجد کی عمارت کی تجدید کی گئی۔

۳۔ اللہ تعالیٰ اسکو طویل زندگی بخشے جسمیں وہ کرم گستری کر سکے۔

۴۔ اگر آپ تاریخ تعمیر دریافت کرنا چاہتے ہیں تو ابجدی کلمات میں اسکی تاریخ ظلّہ عبد الحمید الامجد ہے۔ ۱۳۱۳

اس تہ خانہ میں اندر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس میں ہزاروں پیغمبروں کی قبریں ہیں۔ کہتے ہیں کہ اکثر پیغمبروں نے اپنے ورثہ کو وصیتیں کی تھیں کہ ہمیں غار انبیاء میں دفن کر دیا جائے جیساکہ یوسف علیہ السلام مصر میں وفات پا گئے۔ مگر انہوں نے وصیت کی تھی کہ میری لاش کو اپنے آباء و اجداد کے مقبرہ کے پاس لے جانا ـــــ مصر اور خلیل کے درمیان اتنی زیادہ مسافت نہیں مگر بدقسمتی سے بنی اسرائیل کے مقبوضہ علاقہ نے خشکی کے اس راستہ کو معطل کر دیا ہے۔

اوپر مسجد میں صرف سات قبروں کے نشانات لکڑی سے بنائے گئے ہیں۔ ہر قبر کی اونچائی سات فٹ لمبائی تیرہ فٹ اور چوڑائی پانچ فٹ ہے ـــــ محراب سے دو گز کے فاصلہ پر حضرت اسحاق علیہ السلام کی قبر ہے۔ اور اس کے بالمقابل بائیں طرف ان کی بیوی سیدہ رفیقہ رض کی قبر ہے۔ ان قبروں کی جانب شمال حضرت ابراہیم علیہ السلام کا روضہ ہے۔ حضرت خلیل الرحمان ابراہیم کی یہ قبر تمام روئے زمین میں دوسری قبر ہے۔ جس پر اکثر علماء کرام کا اتفاق ہے۔ رحمت کائنات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مطہرہ پر تو سب متفق ہیں۔ لیکن روضۂ ابراہیمی میں اکثر علماء کا اتفاق ہے۔ ان مقدس قبروں کے علاوہ دیگر انبیاء کرام کے مدفن مختلف فیہ ہیں۔ مثلاً آدم علیہ السلام کی قبر سراندیپ میں بھی بتائی جاتی ہے۔ اور عراق میں دریائے دجلہ کے کنارے بھی۔ اور اسی مدفن انبیاء میں بھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر سے بائیں طرف حضرت سارہ رض کی قبر ہے۔ یعقوب علیہ السلام اور ان کی بیوی لائقہ اور یوسف علیہ السلام کی قبور مسجد کے شمالی حصہ میں ہیں۔ اوپر سے تہ خانہ دیکھنے

کے لئے مسجد میں چھ سات چھوٹے سوراخ چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ میں نے دیکھا تو نیچے ایک مدھم چراغ جل رہا تھا۔ تاریکی کیوجہ سے کچھ نہ دیکھ سکا۔ یہ چراغ خادم جلاتے ہیں۔ ان سوراخوں پر آپ اپنا چہرہ رکھیں تو تہ خانہ سے آتی ہوئی ٹھنڈی خوشبودار ہوا محسوس کریں گے۔

اس مسجد اور روضۂ ابراہیمی کے بارے میں مجھے حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب مدظلہ کی کتاب فضائل حج کا ایک قصہ یاد آیا۔ جو انہوں نے علامہ قسطلانی کی کتاب مواہب لدنیہ سے نقل کیا ہے۔ شیخ ولی الدین عراقی کا بیان ہے کہ میرے والد شیخ زین الدین عراقی اور شیخ عبدالرحمان بن رجب حنبلیؒ دونوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر کی زیارت کے لئے گئے۔ جب قریۂ خلیل کے قریب پہنچے تو ابن رجب حنبلیؒ نے کہا میں نے تو مسجد میں نماز پڑھنے کی نیت کر لی۔ تاکہ حضورؐ کی روایت: لاتشد الرحال الا لثلثۃ مساجد سے مخالفت نہ ہو۔ میرے والد زین الدین عراقی نے ابن رجب کو جواب دیا۔ کہ آپ نے تو حدیث کی مخالفت کر لی۔ اس لئے کہ آپ نے ان تینوں مسجدوں کے سوا دوسری مسجد میں نماز پڑھ لی۔ حدیث میں تو صرف مسجد الحرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کا ذکر ہے ۔ میں نے تو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کیا۔ حضورؐ فرماتے ہیں: کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور الا فزوروھا۔ ترجمہ: میں نے تم کو قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا سو اب زیارت کیا کرو۔

درحقیقت انبیاء کرام اور صلحائے امت کی قبور کی زیارت مستحسن امر ہے۔ چونکہ ابتداء اسلام میں لوگ بت پرستی چھوڑ کر مسلمان ہوئے تھے اس لئے حضورؐ نے قبروں کی زیارت سے منع فرمایا کہ مبادا کہیں قبر پرستی کا شکار نہ ہو جائیں۔ جب مسلمانوں کے دلوں میں اسلام اور توحید کا عقیدہ راسخ ہوا تو پھر قبروں کی زیارت کی اجازت دے دی گئی۔ اور بعض روایات میں تو زیارت قبور کا فائدہ بھی بتلایا کہ اس سے موت اور آخرت یاد آجاتی ہے۔ یہ فائدہ اس لئے بیان فرمایا تاکہ لوگ اہل قبور سے اپنی حاجت روائی نہ چاہیں۔ جیساکہ بعض لوگ قبروں پر جاکر غلاف بوسی۔ قبر پرستی و دیگر خلاف شرع امور کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اہل قبور کو قاضی الحاجات اور مشکل کشا سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے زیارۃ القبور ممنوع ہے۔ اور ان کی تباہی و گمراہی کا باعث ہے۔ لاتشد الرحال میں نہی شفقۃؐ ہے۔ یعنی قلیل ثواب حاصل کرنے کے لئے دور دراز مسجدوں میں نماز پڑھنے کی خاطر بیشمار مشکلات سفر اٹھانے کی کیا ضرورت ہے۔ جیساکہ جمعۃ الوداع پڑھنے کے لئے دہلی کی جامع مسجد میں دور دراز سے مرد اور عورتیں حاضر ہوتی ہیں۔ بے پناہ ہجوم کیوجہ سے بے پردگی، ناجائز امور اور کئی تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ نیز لاتشد الرحال میں مستثنیٰ منہ امام احمد بن حنبلؒ کی روایت کے مطابق الی مسجد ما ہے۔

جو مسند احمد میں موجود ہے۔ اور جسکو صاحب فتح الباری اور علامہ عینی نے نقل کیا ہے۔ لاینبغی للمصلی ان یشد رحالہ الی مسجد یبتغی فیہ الصلوٰۃ غیر المسجد الحرام والمسجد الاقصیٰ ومسجدی۔ یعنی نمازی کو مناسب نہیں کہ وہ کسی مسجد میں نماز پڑھنے کی خاطر سفر کرے ماسوائے مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور مسجد نبوی کے۔ؔ

روضۂ ابراہیم کے دروازہ پر مقام ابراھیم من دخلہ کان آمنا سلام علی ابراھیم۔ اور اس کے نیچے یہ اشعار درج ہیں :-

عطفا خلیل اللہ ارجو انظرۃً ارقی بھا العلیا فی الدارین

از راہ نوازش اے خدا کے دوست ایک نگاہ کا امیدوار ہوں جس کے ذریعہ میں دارین کی بلندیوں پر فائز ہو جاؤں۔

اصبحت محسوبا وعبدا خادماً ومفاخرا فی خدمۃ الثقلین

میں آپ کا خدمتگار غلام ہوں۔ اور انس و جن کی خدمت کرنے پر فخر کرنے والا ہوں۔

دردلیش عبدک سیدی لایرتجی الا رضاک ولحظۃ بالعین

اے آقا "درویش" آپ کا غلام ہے جو آپ کی رضامندی اور آنکھوں کی ایک نظر کا امیدوار و طالب ہے۔

اسعفہ فی سر و جھر غیرۃ انت الغیور علیہ فی الحالین

از روئے غیرت آپ اس کے مطالبہ کو قبول فرما۔ آپ ظاہر و باطن کے دونوں حالات میں بہت بڑے غیور ہیں۔

۱۲۵۹ھ

وعلیک مع سکان غارک دائما اجمی صلوات اللہ فی الکونین

آپ پر بمعہ ساکنانِ غار ہمیشہ کے لئے خداوند قدوس کی تر و تازہ و عمدہ رحمتیں دنیا و آخرت میں نازل ہوتی رہیں۔

اہل خلیل کی پیاری باتیں قریۂ خلیل کی آبادی تیس ہزار سے متجاوز ہے۔ خلیل کا قدیمی نام حبردن ہے۔ جو بعد میں ابراہیم خلیل اللہ کی نسبت سے قریہ خلیل سے مشہور ہو گیا ہے۔ یہاں کے لوگ انتہائی خوش خلق اور دیندار ہیں۔ یہاں کے عربوں میں وہی اخلاق پایا جاتا ہے، جو ان کے آباء و اجداد کے متعلق کتابوں نے بیان کیا ہے۔ [illegible] ہیں اور نہ مسیحیوں کے مدارس و کنائس۔ نہ یہاں سینما ہے۔ اور نہ فحاشی و عریانی کے ایمان سوز مناظر۔ جس جگہ بھی آپ جائیں وہاں کے باشندے آپ کو اھلاً و سھلاً سے خوش آمدید کہیں گے۔ ویسے تو اردن

ؔ اگر مستثنیٰ منہ عام ہو اور لاتشد الرحال الی مکان ما مراد لیا جائے تو پھر تجارت۔ سیاحت۔ جہاد۔ طلب علم کے لئے بھی سفر ناجائز ہو جائے گا۔ (ماخوذ از افادات حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب دوران درس ترمذی شریف مع اختصار)

کے تمام باشندے پاکستانیوں سے بڑی محبت رکھتے ہیں۔ پاکستانی فوج اور پاکستانی عوام کی جرأت شجاعت کی داد دیتے ہیں۔ مگر خلیل کے باشندے ملنساری اور حلیم المزاجی میں سب سے آگے ہیں۔ واقعی یہ اہلِ خلیل ہیں۔ عربوں کی فصاحت اور بلاغت زبان کا اندازہ یہاں آکر محسوس ہوتا ہے۔ آپ اگر کسی کو السلام علیکم کہیں۔ تو جواب وعلیکم السلام مع السلامہ اھلاً وسھلاً یا مرحباً سنیں گے۔ معصوم بچے پیاری زبان سے مرحبا یا حاج باکستانی کہتے ہوئے بہت محبوب نظر آتے ہیں۔ اگر آپ نے کسی معصوم بچے کو شکراً کہا وہ فوراً اس کے جواب میں عفواً کہے گا۔ اور بڑوں سے بھی عفواً یا لا شکر علی الواجب سنیں گے۔ انتَ موفّق۔ انتَ مغفور۔ انتَ مقبول یہ ان کے پیارے کلمات ہیں۔ زیادہ محبت کے اظہار کے لئے اھلین اور مرحبتین استعمال کرتے ہیں۔ بعض تو بامانۃ مرحبا بھی کہہ دیتے ہیں۔ گاہک دوکاندار کے پاس اگر روزانہ کئی دفعہ آئے تو السلام علیکم کہے گا۔ اور دوکاندار اھلاً وسھلاً سے جواب دیگا۔ اگر کوئی غصہ میں آجائے تو دوسرا اسکو صلّ علی النبی کہہ کر اس کے غصہ کو ٹھنڈا کر دیگا۔ آپ وضوء سے فارغ ہو جائیں تو آپ کو زمزم یا مزمزم کہیں گے۔ یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو زمزم کا پانی پلائے۔ اس کے جواب میں آپ جمعًا یا اجمعین کہیں گے۔ آپ نماز سے فارغ ہو جائیں تو آپ کو حرماً یا تقبّل اللہ کی دعا کریں گے۔ یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو حرم مکہ میں نماز پڑھنے کی سعادت بخشے۔ اس کے جواب میں بھی آپ جمعاً یا منکم کہیں گے۔ صبح کے وقت صباح الخیر کہیں گے۔ اس کا جواب آپ صباح النور سے دیں گے۔ شام کے وقت مساء الخیر اور جواب مساء النور ہوگا۔ پانی پئیں تو آپ کا ساتھی هنیئاً کہے گا۔ آپ هنّاکم اللہ کہیں گے۔ آپ اگر کسی ہوٹل میں چلے جائیں۔ تو بیٹھے ہوئے لوگ آپ کو اللہ بالخیر کہیں گے۔ آپ بھی یہی جواب دیں گے۔ اللہ یکرمکم۔ اللہ یمسیکم بالخیر۔ شابلک بالخیر۔ ان کی خصوصی دعائیں ہیں۔ یہ چند محاورے حسنِ اخلاق کی ترجمانی کے لئے کافی ہیں۔ انشاء اللہ کسی دوسری فرصت میں اس پر مفصل بحث کی جائے گی۔

قریۂ خلیل میں عصر کے وقت پہنچا۔ عصر کی نماز پڑھ کر قرآن مجید کی اُن سورتوں کی تلاوت شروع کی جن میں ابراہیم علیہ السلام کی ایثار و قربانی کا تذکرہ ہے۔ مغرب کی نماز کے بعد ایک نوجوان فقہ کی کوئی کتاب پڑھا رہا تھا۔ چودہ پندرہ تک نوجوان اور بوڑھے شریک درس تھے۔ ما قلیل و کثیر کی بحث میں مختلف مذاہب بیان کرتا رہا۔ عبارت پڑھتے پڑھتے ایک جگہ رُک گیا۔ سوچ بچار کے بعد کہنے لگا۔ کہ عبارت کے مقصد کو میں نہیں سمجھتا۔ رات کو کافی مطالعہ بھی کیا ہے۔ مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ آپ میں سے اگر کسی کی سمجھ میں آیا ہو تو بیان کریں ہر ایک ایک دوسرے کی جنبشِ لب کا منتظر نظر آرہا تھا۔ چونکہ میرا لباس پاکستانی

تھا۔ اور چہرے پر ڈاڑھی بھی تھی۔ اس لیئے میں ان میں اجنبی محسوس ہو رہا تھا۔ ان کی نگاہیں یکایک میری طرف متوجہ ہوئیں۔ مگر میں خاموش رہا۔ اس نوجوان نے ساتھیوں سے دریافت کیا کہ یہ جگہ مشکل ہے۔ اسکو چھوڑ کر آگے کتاب الصلوٰۃ کی بحث شروع کرلیں گے۔ ساتھیوں نے کہا بہت اچھا۔ اس جگہ پر نشان لگا بیجئے کسی سے اس کے بارے میں پوچھ لیں گے۔ اس نوجوان کے علمی ذوق وشوق اور جذبۂ تدریس و بے تکلفی کو دیکھ کر مجھے مجبوراً شریک بحث ہونا پڑا۔ میں نے ان کو اس عبارت کی وضاحت کی وہ بہت ہی خوش ہوئے۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلائل سے کافی متاثر ہوئے۔ عشاء کی نماز تک ہم مصروف گفتگو رہے۔ اس نوجوان نے کہا۔ کہ میں یہاں ایک سکول میں مدرس ہوں، مذہبی کتب سے کافی شغف و محبت ہے۔ مگر یہاں نہ کوئی مذہبی مدرسہ ہے نہ کوئی مدرس ــــ عشاء کی نماز پڑھانے کے لئے انہوں نے مجھے کہا۔ میں نے معذرت کی کہ میں مسافر ہوں۔ یہ میری سعادت ہو گی کہ حرم ابراہیمی میں مقیم امام کے پیچھے چار رکعت پڑھ لوں ــــ یہاں کے جودت عبدالنبی نامی ایک نوجوان نے مجھے قرآن مجید کا ایک قیمتی نسخہ بطور تحفہ دیا دداشت دیا۔ صبح کی نماز میں امام نے رَبَّنَا اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ کی آیتیں تلاوت کیں۔

حرم ابراہیمی میں صاحب لسان اور خوش الحان قاری کی زبان سے ان ہی آیات کا سننا سننے والوں کے دلوں میں لازمی طور پر عجیب کیفیت پیدا کرے گا۔

صبح ایک ہوٹل میں چائے پینے میں مصروف تھا۔ ہوٹل کا مالک ایک بوڑھا شخص تھا۔ دوسرے بوڑھے نے آکر ہوٹل کے مالک کو کہا ـــ

یامن بدنیا مشتغل ۔۔۔۔۔ قد غرہ طول الامل

اے دنیا کے کاموں میں مصروف، جسکو حرص نے دھوکہ میں ڈالا ہے۔

مالک ہوٹل نے اس شعر کا جواب دیا کہ حلال کمائی بڑھاپے کی حالت میں حرص نہیں بلکہ قابل تحسین ہے۔ اس موضوع پر دونوں بوڑھے پوری فراخدلی سے بحث مباحثہ کرتے رہے اور میں ذوق سماع حاصل کرتا رہا۔

یہاں بہ نسبت دوسرے شہروں کے کافی ارزانی ہے۔ اور یہاں کی روٹی اور سالن قدرتی طور پر لذیذ اور پر لطف ہیں

قریۂ خلیل سے قریۂ بنی نعیم چھ کیلومیٹر ہے۔ یہاں لوط علیہ السلام کی قبر ہے۔ یہ ایک معمولی بستی ہے۔ یہاں سے "دوزہ" دس کیلومیٹر ہے۔ نوح علیہ السلام کا مزار یہاں بتایا جاتا ہے۔ مگر صحیح بات یہ ہے کہ

نوح علیہ السلام کی قبر عراق میں ہے۔ خلیل سے واپسی پر ہم "حلحول" کی بس میں بیٹھے۔ حلحول تقریباً دس میل کے فاصلہ پر ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ اس میں یونس علیہ السلام کی قبر ہے۔ جو متصل گھر والوں کی تحویل میں ہے۔ ہم نے اہلِ خانہ سے اجازت مانگی۔ ایک عورت نے دروازہ کھول کر ہمیں اندر جانے کی اجازت دی اور وضو کے لئے کنوئیں سے پانی نکالا جو ڈیڑھ دو گز کے فاصلہ پر ہوگا۔ قبر پر یہ آیت لکھی گئی ہے

فنادی فی الظلمت ان لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین ۔

یہاں سے کچھ فاصلہ پر حضرت یعقوب علیہ السلام کے توام (جڑواں) بھائی (جو پیغمبر تھے) کی قبر ہے۔ عبداللہ بن مسعودؓ کی قبر بھی یہاں بتاتے ہیں۔ اور حضرت ایوب علیہ السلام کی قبر بھی۔

قریۂ حلحول کے سامنے قریۂ بیت عمر ہے جو سامنے دکھائی دیتا ہے۔ اس میں حضرت یونسؑ کے والد محترم نبی متیٰ علیہ السلام کا روضہ ہے۔ حلحول میں ہم اتفاقاً ایک جنازہ میں شریک ہوئے۔ قبرستان میں پہلے سے قبر تیار تھی۔ چونکہ یہ پہاڑی علاقہ ہے۔ اس لئے بروقت قبر کھودنا مشکل ہے۔ تدفین کے بعد تمام لوگ قبرستان سے نکل کر دو صفوں میں کھڑے ہو گئے۔ ایک صف والے ترتیب وار آتے اور دوسری صف والوں کے ساتھ یکے بعد دیگرے مصافحہ کرتے وقت زبان سے یہ کلمات کہتے جاتے تھے۔ عظم اللہ اجرك و اعطاك الصبر والسلوان ۔ خدا آپ کو اجرِ جزیل اور صبر و تسلی بخشے۔ ایستادہ صف میت کے خویش و اقارب پر مشتمل تھی۔ اور بالمقابل کی صف میں گاؤں اور آس پاس کے لوگ تھے۔ جو رخصت لیکر چلے گئے۔ ہمارے علاقہ میں غلط رواج ہے۔ میت کے ورثہ خواہ کتنے غریب ہوں۔ مگر وہ سودی یا غیر سودی قرضہ سے کر جنازہ میں شریک ہونے والوں کے لئے کھانے کا انتظام کرتے ہیں۔

حلحول سے ہم قدس کی بس میں بیٹھے۔ واپسی پر قریۂ خضر میں اترنے کا ارادہ بارش کی وجہ سے ترک کرنا پڑا۔ بس کے کلینر نے مجھ سے پوچھا کہ میں نے سنا ہے۔ پاکستان میں عورت کا مہر بہت کم ہے۔ میں نے کہا پاکستان کے مختلف علاقوں میں مختلف مقدار میں مہر دیا جاتا ہے۔ تاہم عام طور پانچسو روپیہ سے ایک ہزار تک مہر ہے۔ اس نے کہا یہاں ایک سو دینار (دو ہزار روپیہ) مہر معجل (نقد) ہے۔ اور ڈیڑھ سو دو سو دینار (تین چار ہزار روپیہ) مہر غیر مؤجل ہے۔ (یعنی خاوند کے ذمہ ہے جب بھی خاوند کی استطاعت ہو وہ عورت کو ادا کریگا۔) اس نے کہا کہ مہر کی گرانی نے بہت سے نوجوانوں کو شادی کے انتظار میں بوڑھا کر دیا ہے۔ اور کئی نوجوان لڑکیاں تجرد کی زندگی بسر کرتے کرتے سر کے بال سفید کر چکی ہیں۔ میں نے کلینر کو بتایا کہ یہی حالت وہاں بھی ہے۔

(باقی آئندہ)

بحث و تمحیص

از مولانا محمد میاں صاحب مدظلہٗ دہلی

رویت ہلال کے سلسلہ میں
جمعیۃ علماء ہند کا فیصلہ

مجلس تحقیقات شرعیہ لکھنؤ کی قرارداد اور جواب طلب مسائل

مضمون ہذا بغرض اشاعت الحق ارسال ہے۔ ضرورت ہے کہ حضرات علماء ان سوالات پر غور فرما کر رائے قائم فرمالیں۔

محمد میاں
خادم دارالافتاء مدرسہ امینیہ دہلی
سابق ناظم جمعیۃ علماء ہند

سولہ سال ہوگئے ۱۸-۱۹ راگست ۱۹۵۱ء کو جمعیۃ علماء ہند نے اجلاس مرادآباد میں جسکو اکابر علماء خصوصاً حضرت علامہ مولانا کفایت اللہ صاحب مفتی اعظم ہندؒ اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمہما اللہ کی شرکت کا شرف حاصل ہے۔ رویت ہلال کے سلسلے میں یہ متفقہ فیصلہ صادر فرمایا تھا — "اگر ریڈیو کے ذریعہ آنے والی خبر کے متعلق یہ اطمینان ہوجائے۔ کہ جس جگہ سے ریڈیو کی خبر دی جارہی ہے وہاں کے علماء نے چاند ہونے کی باقاعدہ شہادت لیکر چاند ہونے کا حکم کردیا ہے۔ خبر دینے والا بھی متعین ہو کہ کوئی مسلم معتمد خبر دیتا ہو تو اس اعلان پر اعتماد کرکے دوسرے مقامات میں بھی چاند ہوجانے کے حکم پر عمل کیا جانا جائز ہے۔ اور تمام ہندوستان کے شہروں اور قصبوں میں متعین ذمہ دار جماعات اس کے موافق حکم کریں تو ان پر عمل کیا جائے۔ یہ حکم تمام ہندوستان و پاکستان کیلئے ہے۔"

— اس فیصلہ نے یہ بات واضح کردی تھی۔ کہ ریڈیو کی خبر کو مجہول قرار دے کر نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ وہ ایک قابلِ التفات خبر ہے اور اگر (۱) خبر دینے والا شخص متعین ہو۔ (۲) وہ مسلم معتمد ہو۔

(۳) اس تصریح کے ساتھ خبر دے کہ جہاں سے خبر دے رہا ہے۔ وہاں کے علماء نے باقاعدہ شہادت لیکر چاند ہونے کا حکم کیا ہے۔ تو مقامی ذمہ دار جماعت اس کے موافق فیصلہ کر سکتی ہے۔ اس مقام کے مسلمانوں کو اس کمیٹی کے فیصلہ پر عمل کرنا چاہیئے۔ اس کے علاوہ فیصلہ کی تصریح یہ بھی ہے۔ کہ جسطرح ہندوستان کے کسی ریڈیو اسٹیشن سے شائع ہونے والی خبر پر (شرائط مذکورہ کیساتھ) عمل کیا جا سکتا ہے۔ ایسے ہی پاکستان کے کسی ریڈیو اسٹیشن سے شائع ہونے والی خبر پر بھی عمل کیا جاسکتا ہے۔ اور یہ کہ تمام دنیا کے لحاظ سے اختلاف مطالع کا اعتبار ہو یا نہ ہو جہاں تک ہند و پاکستان کی حدود ہیں ان میں اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں ہے۔

جمعیۃ العلماء کا یہ فیصلہ سولہ سال کے عرصہ میں بار بار شائع ہو چکا ہے۔ اس پر بحث و تمحیص اور جرح و تنقید بھی ہوتی رہی ہے۔ لیکن چند سوالات ایسے ہیں جن کے جواب اس فیصلہ سے محروم نہیں ہوتے۔ یہ سوالات تشنہ ہیں۔ اور صحیح جوابات کے لئے مضطرب ہیں۔ مثلاً یہ سوال ۱۔ اگر ہند و پاکستان کی حدود تک اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں ہے تو کیا کسی اور ملک کے لحاظ سے اعتبار ہوگا۔ اگر ہوگا تو کب، کس فاصلہ پر اور کیا اس کے لئے کوئی ضابطہ ہے۔؟ ۲۔ ریڈیو کی خبر کو خبر کی حیثیت دی جائے یا اعلان کی یا علامت کی، خبر کی حیثیت دی جاتی ہے۔ تو اس پر فیصلہ درست نہیں ہے۔ تاوقتیکہ خبر مستفیض نہ ہو اور اگر اعلان یا علامت کی حیثیت دی جاتی ہے۔ تو اسلام و اعتماد اور تعین کی شرطیں بے محل ہیں۔ کیونکہ علامت کے لئے اسلام و اعتماد تو کیا ذی روح یا انسان ہونے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ گھنٹے کی آواز، توپ کا گولہ، منارے کی روشنی علامتیں ہیں۔ اور اعلان کرنے والا اگرچہ انسان ہوگا مگر اعلانچی کے لئے تعارف، اعتماد اور تدین حتی کہ اسلام کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ ۳۔ ہمارا تعامل یہ ہے کہ مقامی حد تک ریڈیو کی خبر کو اعلان یا خبر مستفیض کی حیثیت دی جاتی ہے۔ دہلی، کلکتہ یا بمبئی جیسے شہر جو کئی کئی سو مربع میل میں پھیلے ہوئے ہیں، ان شہروں کی کمیٹیوں کے فیصلے اگر ریڈیو سے شائع کئے جائیں تو شہر کی حدود تک تسلیم کر لئے جاتے ہیں۔ لیکن دوسرے مقامات کیلئے یہ علامت کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ کیونکہ وہاں کے لئے وہاں کی مقامی کمیٹی کے فیصلہ کی ضرورت ہے۔ جس کے لئے شہادت مہیا ہونی چاہیئے یا خبر مستفیض۔ ۴۔ ان شہروں کی مقامی کمیٹیاں صرف مقامی ہیں۔ اگر کوئی کمیٹی ایسی ہو جو پورے ملک کی نمائندگی کرتی ہو اور اس کا فیصلہ پورے ملک کیلئے تسلیم کیا جائے تو اس کے فیصلہ کی اشاعت جو ریڈیو سے ہوگی وہ علامت کی حیثیت رکھے گی اور جسطرح مثلاً دہلی کے گوشہ گوشہ میں دہلی کی کمیٹی کے فیصلہ پر عمل کیا جاتا ہے۔ پورے ملک میں اس کمیٹی کے فیصلہ پر عمل کیا

جائے گا. یا اس وقت بھی ہر مقام کے لئے مقامی کمیٹی کے فیصلہ کی ضرورت ہوگی۔ ۵۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ریڈیو کی خبر کو مستفیض کی حیثیت دی جائے۔ اس وقت یہ تو ضروری ہوگا کہ خبر مستند ہو یعنی خبر میں یہ صراحت کی گئی ہو کہ چاند ہونے کا فیصلہ کس نے کیا اور کس طرح کیا۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہوگا کہ مقامی کمیٹی فیصلہ صادر کرے بلکہ بقول شمس الائمہ سرخسیؒ وہی فیصلہ جو اس مقام پر ہوا ہے، جہاں کی اطلاع دی جارہی ہے وہی یہاں بھی نافذ ہو جائے گا۔

مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء لکھنؤ نے ایک سوالنامہ مرتب کرکے حضرات علماء کے پاس بھیجا۔ ہندوستان و پاکستان کے دس علماء کرام اور مفتی صاحبان نے اس کے جوابات مجلس کے پاس بھیجے۔ ۳، ۴ مئی ۱۹۶۷ء کو مجلس کا اجتماع لکھنؤ میں ہوا جن میں مندرجہ ذیل دس حضرات نے شرکت کی۔

مولانا ابوالحسن صاحب ندوی۔ مولانا معین الدین صاحب ندوی۔ مولانا محمد ظفیر الدین صاحب۔ مولانا محمد منظور صاحب نعمانی۔ مولانا عون احمد صاحب قادری۔ مولانا اویس صاحب ندوی۔ مولانا عمران خان صاحب مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی۔ مولانا عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی۔ مولانا محمد اسحاق صاحب ندوی، اس مجلس نے اپنے غور و فکر کے نتیجے کو ۱۴ دفعات (مشبردں) میں بیان کیا ہے۔ جمعیۃ العلماء کے فتویٰ میں جو باتیں واضح کی گئی تھیں یہ دفعات بطور اصول مسلمہ ان کی تائید کرتی ہیں۔ مگر جمعیۃ العلماء کے فتویٰ پر جو سوالات وارد ہوتے تھے ان میں سے صرف اختلاف مطالع سے متعلق تو ایک صراحت کی گئی ہے۔ باقی سوالات پھر بھی تشنہ رہ گئے ہیں۔

مطالع کے بارے میں مجلس تحقیقات کا فیصلہ یہ ہے کہ بلاد بعیدہ میں اختلاف مطالع معتبر ہے۔ اور بلاد بعیدہ سے مراد یہ ہے کہ ان میں باہم اس قدر دوری واقع ہو کہ عادۃً انکی رویت میں ایک دن کا فرق ہوتا ہو۔ (دفعہ ۲-۳)

دفعہ ۴ میں کہا گیا ہے کہ مجلس اس سلسلے میں ایک ایسے چارٹ کی ضرورت سمجھتی ہے جس سے معلوم ہو جائے کہ مطلع کتنی مسافت پر بدلتا ہے، اور کن کن ملکوں کا مطلع ایک ہے۔ مجلس تحقیقات نے ہند و پاک کے مطلع کو ایک قرار دے دیا ہے۔ (دفعہ ۵) البتہ دفعہ ۶ میں کہا گیا ہے۔ کہ مصر و حجاز جیسے دور دراز ملکوں کا مطلع ہند و پاک کے مطلع سے علیحدہ ہے۔ ہوائی جہاز سے چاند دیکھنے کے تکلف کو بھی مجلس تحقیقات نے غیر معتبر قرار دیا ہے۔

مطالع کے علاوہ ریڈیو کی خبر کے متعلق جو تضاد جمعیۃ العلماء کی تجویز میں معلوم ہو رہا ہے مجلس تحقیقات اس تضاد کو رفع نہیں کر سکی۔ بلکہ دفعہ ۸، ۱۰ کو ملا کر پڑھا جائے تو یہ تضاد کچھ زیادہ ابھر کر سامنے آجاتا

ہے۔ دفعہ ۸ میں تصریح ہے کہ ریڈیو سے رویت ہلال کا اعلان خبر ہے شہادت نہیں ہے۔ اس تصریح کے بموجب اس خبر کی تصدیق کے لئے شہادت یا استفاضہ کی ضرورت ہے، مگر دفعہ ۱۰ میں اس خبر کو اعلان کی حیثیت دی گئی ہے۔ اور اعلان کرنے والے کے لئے اسلام کی شرط بھی نہیں لگائی گئی بلکہ غیر مسلم ملازم کے اعلان کو بھی قابل اعتبار سمجھا ہے۔ صرف ایک شرط برقرار رکھی ہے کہ یہ خبر کسی ذمہ دار ہلال کمیٹی یا جماعت علماء یا قاضی شریعت (بتصریح تام) کے فیصلہ کا اعلان کرے۔

راقم الحروف کے خیال میں مجلس تحقیقات کی تحریر کے ان نمبروں (۸ تا ۱۰) کی مختصر اور واضح تعبیر یہ ہے کہ۔ ریڈیو کی خبر اعلان کا درجہ رکھتی ہے۔ اعلان کرنے والے کے لئے تدین یا اسلام کی شرط نہیں ہوتی۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ خبر میں یہ تصریح ہو کہ ذمہ دار کمیٹی یا علماء یا فلاں قاضی شریعت نے رویت ہلال کا فیصلہ کیا ہے۔ اگر خبر مجمل ہو کہ فلاں شہر میں چاند دیکھا گیا، یا کل عید منائی جائے گی۔ تو اس کا اعتبار نہیں ہے۔

راقم الحروف نے اس مضمون کے (۳) میں لکھا ہے۔ کہ مقامی طور پر ریڈیو کی خبر کو اعلان یا علامت کی حیثیت دی جاتی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ دوسرے مقام پر اسکو کیا حیثیت دی جائے گی۔ اگر یہ کمیٹی ایسی حیثیت رکھتی ہے کہ اس کا فیصلہ دوسرے مقام میں بھی نافذ ہوتا ہے: تو پھر کسی مقامی کمیٹی یا اس کے فیصلہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اگر وہ دوسرا مقام اس کے تابع نہیں ہے تو اس مقام کی کمیٹی اس اعلان کو کیا حیثیت دے گی۔

اس کے حق میں تو لامحالہ یہ اعلان ایک خبر ہی ہے اور جب تک استفاضہ یا شہادت نہ ہو صرف خبر پر فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ مجلس تحقیقات نے ۱۳ میں خلجان انگیز گریز کیا ہے۔ اگر یہ صورت ہو کہ مختلف شہروں کے ریڈیو الگ الگ خبر دیں کہ یہاں یہاں چاند دیکھا گیا ہے تو اس کو خبر استفاضہ کی حیثیت دی جائے گی یا نہیں۔ مجلس تحقیقات کو اس بارے میں فیصلہ کرنا چاہیئے تھا۔ مگر مجلس نے کوئی فیصلہ نہیں دیا بلکہ یہ کہہ کر فیصلہ سے گریز کیا ہے کہ تعدد خبر کی بنیاد پر غور کر کے فیصلہ کرنا کہ یہ خبر مستفیض ہے یا نہیں اور یہ اعلان قابل اعتبار ہے یا نہیں علماء کا کام ہے۔ عوام کا فیصلہ قابل قبول نہیں ہوگا۔ بہر حال یہ سوالات پھر بھی باقی رہ گئے۔ ۱۔ ریڈیو کی اطلاع کو اعلان قرار دیا جاتا ہے، جیسے ڈھنڈورچی کا اعلان ہوتا ہے یا اسکو خبر قرار دیا جاتا ہے جس کے لئے تبیّن ضروری ہے۔ قولہ تعالیٰ فتبیّنوا۔ ۲۔ تبیّن کے لئے صرف اتنی بات کافی ہے کہ خبر تفصیلی ہو یا شہادت یا استفاضہ کی بھی ضرورت ہے۔ ۳۔ مقامی اور غیر مقامی کا فرق ہے کہ مثلاً دہلی کے حدود میں ریڈیو کی اطلاع کو اعلان اور علامت کی حیثیت دی جائے۔ اور

دوسرے مقامات میں اسکو غیر قرار دیا جائے یا تمام مقامات کی ایک ہی حیثیت ہے۔ ۴۔ پاکستان میں مرکزی کمیٹی کا فیصلہ پوری مملکت میں نافذ ہونا چاہیئے وہاں اس فیصلہ کی اطلاع ریڈیو سے دی جائے تو وہ اعلان کی حیثیت رکھے گی مگر پاکستان کی مرکزی کمیٹی ہندوستان کی نمائندگی نہیں کرتی لیکن یہاں بھی اگر کوئی مرکزی کمیٹی بنا دی جائے تو اس کا فیصلہ پورے ملک کے لئے ہوگا۔ اور ریڈیو سے اس کے فیصلہ کا اعلان ڈھنڈورچی کے اعلان کی حیثیت رکھے گا۔ جو سب جگہ قابل ہوگا۔ یا یہاں یہ صورت نہیں ہو سکتی۔ اگر بالفرض دہلی کی ہلال کمیٹی یہ اعلان کردے کہ وہ اس بارے میں پورے ملک کی نمائندہ ہے تو یہ قابلِ اعتبار ہوگا یا مرکزی کمیٹی کی تشکیل کے لئے کوئی اور صورت اختیار کی جائے گی۔ اور وہ کیا ہوگی ـــــ ضرورت ہے کہ حضرات علماء ان سوالات پر غور فرماکر رائے قائم فرمائیں۔

حضرت مولانا ابوالزاہد محمد سرفراز خانصاحب شیخ الحدیث
مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ
کی شہرۂ آفاق کتاب

راہِ سنّت

جو عرصہ سے نایاب تھی اس کا ساتواں ایڈیشن طبع ہو چکا ہے۔ اس دفعہ بہترین جلد عمدہ گرد پوش اور کاغذ کی گرانی کی وجہ سے قیمت چھ روپے ہے شائقین حضرات جلد آرڈر ارسال فرمادیں۔ ڈاک خرچ بذمہ خریدار ہوگا

ناشر:۔ ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ مغربی پاکستان

ملنے کا پتہ:۔ ماسٹر اللہ دین ناظم ادارہ نشر و اشاعت انجمن اسلامیہ گکھڑ منڈی ضلع گوجرانوالہ

ناظم ادارہ نشر و اشاعت نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

موتیا روک

- موتیا روک موتیا بند کا بلا اپریشن علاج ہے۔
- موتیا روک دھند جالا پھولا ککروں کیلئے بھی مفید ہے۔
- موتیا روک بینائی کو تیز کرتا ہے۔ اور چشمہ کی ضرورت نہیں رکھتا۔
- موتیا روک آنکھ کے ہر مرض کے لئے مفید تر ہے۔

بیت الحکمت

لوہاری منڈی - لاہور

حضرت مولانا امین الحق صاحب مدظلہ، خطیب شیخوپورہ

نبوّت کی حقیقت اور اسکی عظمت

قسط ۲

انبیاءؑ شرک اور کفر کی تہ بتہ تاریکیوں میں توحید اور عبودیت کی شمع فروزاں بنکر چمکتے ہیں۔ مخلوقِ خدا کی بے لاگ ہمدردی اور خدا کی مخلوق کو خالق کی پیغام رسانی ان کی پاکیزہ اور بلند زندگی ہے۔ بغض اور محبت کے طوفان خیز جذبات کے بحرِ نا اعتدال میں صبر اور سکون کو برقرار رکھنا انبیاء کی تاریخ کا پہلا صفحہ ہوتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ انبیاءؑ نے اپنی قوموں کو پہلے خطاب میں جس عظیم منصب اور اس کے مناسب ذمہ داری کا اظہار فرمایا ہے۔ یہی نبوّت کی حقیقت ہے۔ حضرت نوحؑ نے اپنی قوم کو توحید اور تقویٰ کی طرف بلایا اور دنیا اور آخرت کے عذاب سے ڈرایا۔ مگر قوم نے کوئی بات نہیں سُنی اور الٹا آپ کو مجنون وغیرہ سے یاد کیا۔ قوم کی ناشائستگی کے جواب میں حضرت نوحؑ نے فرمایا۔ (میں جہاں کے پروردگار کا بھیجا ہوا ہوں۔ اپنے رب کے پیغام تم کو پہنچاتا ہوں اور تم کو نصیحت کرتا ہوں۔ اور اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔) حضرت هودؑ نے اپنی قوم کے بیہودہ الزامات کے جواب میں فرمایا۔ (اے میری قوم میں کچھ بے عقل نہیں ہوں لیکن پروردگار کا بھیجا ہوا ہوں۔ اپنے رب کے پیغام تم کو پہنچاتا ہوں۔ میں تمہارا خیر خواہ ہوں اور میری امانت اور دیانت پہلے سے اطمینان کے لائق ہے۔ میری کوئی بات بے عقلی کی نہیں ہے۔ بلکہ مجھے خدا کیطرف سے رسالت کا منصب تفویض ہوا۔ اس کا حق ادا کر رہا ہوں۔) انبیاء کے خطیب حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم کو نصیحت کے جواب میں قوم کا متشددانہ جواب سنکر فرمایا۔ (اے میری قوم میں تم کو اپنے رب کے پیغام پہنچا چکا۔ اور تمہاری خیرخواہی کر چکا۔ اب کیا افسوس کروں کافروں پر۔) اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلعم سے اپنے خطاب میں ارشاد

فرمایا (اے رسول پہنچا دے جو تجھ پر اترا تیرے رب کیطرف سے اور اگر تو نے ایسا نہیں کیا، تو اس کا پیغام تو نے کچھ نہیں پہنچایا۔)

بغرض محال خدا کے پیغامبر ہونے کی حیثیت سے اگر آپ نے کسی ایک چیز کی تبلیغ میں بھی کوتاہی کی تو یہ سمجھا جائے گا۔ کہ آپ نے اللہ کی رسالت کا حق کچھ بھی ادا نہیں کیا۔ رسول اللہ صلعم کی تمام ترکوششوں اور قربانیوں کا واحد مقصد یہ تھا۔ کہ آپ خدا کے سامنے فرض رسالت کی انجام دہی میں اعلیٰ سے اعلیٰ کامیابی حاصل فرمائیں اور رسول اللہ صلعم نے جس بے نظیر اولی العزمی جانفشانی اور صبر و استقلال سے تبلیغ رسالت کا فرض ادا کیا وہ اسکی واضح دلیل تھی۔ کہ آپ کو دنیا میں ہر چیز سے بڑھ کر اپنے فرض منصبی رسالت اور بلاغ کی اہمیت کا پورا پورا احساس ہے۔ اور رسول اللہ صلعم کے اس قوی احساس کو ملحوظ رکھتے ہوئے وظیفہ تبلیغ میں مزید استحکام اور تثبت کی تاکید کے موقع پر مؤثر ترین عنوان یہی ہو سکتا تھا جو قرآن شریف نے اختیار فرمایا۔

غرض یہ کہ رسالت اور نبوت اللہ کے پیغامات اور دوسروں تک ان کے پہنچانے کا نام ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت انسؓ کا یہ بیان مذکور ہے۔ رسول اللہ صلعم کے تشریف لے جانے کے بعد ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا آؤ کہ جسطرح رسول اللہ صلعم ام ایمنؓ کی ملاقات کے لئے تشریف لے جاتے تھے ہم بھی ان کی ملاقات کے لئے چلیں۔ جب یہ دونوں حضرات ان کے گھر پہنچے تو ان کو دیکھ کر ام ایمنؓ بے ساختہ رو تی ہیں۔ اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے استفسار کے جواب میں کہا رونا تو اس پر ہے کہ اب آسمان سے وحی کی آمد کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔) حضرت ام ایمنؓ کی مراد یہ ہے۔ کہ اللہ کی وحی اللہ کی نبوت ہے۔ اور اب نبوت نہیں ہے۔ تو وحی کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔ اور یہی صحابہ کرامؓ کا اجماعی عقیدہ تھا۔ کہ اب کسی قسم کی نبوۃ باقی نہیں ہے۔ اس لئے اب خدا کی وحی نہیں آئے گی۔

شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ الیواقیت والجواہر ص۳۷ ج۲ پر لکھتے ہیں۔ (شیخ ابن عربیؒ نے فرمایا نبی کی حقیقت یہ ہے۔ کہ اس کو اللہ تعالیٰ ایسے امر کی وحی کرتا ہے کہ وہ صرف اس کے لئے شریعت ہے۔ اور رسول کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ایسے امر کی وحی کرتا ہے، کہ وہ امر اسکی طرح دوسروں کے لئے بھی شریعت ہے۔ ابن عربیؒ فرماتے ہیں جبریل امینؑ نبی کے سوا کسی کے دل پر بھی کبھی وحی نہیں اتارتا اور نبیؑ کے سوا ایک جملہ کی بھی غیر نبی کو وحی نہیں کرتا اسلئے کہ نبوت اور رسالت کے انقطاع کے بعد اللہ کی وحی اور امر کی آمد بند کر دی گئی ہے۔)

خلاصہ یہ ہے کہ نبیؑ اللہ کے پیغامات کو اللہ کی وحی میں لیتا ہے۔ اور اپنی قوم کو اللہ کے پیغامات پہنچاتا ہے۔ اور یہ اسکی شریعت ہے۔ قوم کی تمام درشتیوں اور لغوگوئیوں کو برداشت کرتا ہے۔ اور کسی وقت بھی مایوس نہیں ہوتا۔ پیغمبرانہ وظائف میں کوتاہی نہیں کرتا اور اس عظیم منصب کے مناسب خدمات سے کسی دوسری طرف توجہ نہیں کرتا ہے۔ نبیؑ کا ایک مقررہ کام ہے جسکو اللہ کی مشیت کے تحت انجام دیتا ہے۔ نبیؑ کا ماحول خواہ اس کا مخالف ہو یا اس کے موافق نبیؑ اس کا اثر نہیں لیتا۔ حق تعالیٰ نبیؑ کی پوری نگرانی رکھتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ انبیاءؑ کی عصمت کا تکفل کرتا ہے۔ اس لئے چالاک شریروں کی فریب بازیوں سے کچھ بھی قریب نہیں ہوتے۔ انبیاءؑ میں تقویٰ کی فطری قوت مضبوط اور ناقابل تزلزل ہوتی ہے۔ انبیاءؑ کے پایۂ استقامت میں کسی وقت بھی فرق نہیں آتا۔ انبیاءؑ کی پوری توجہ صرف اللہ کی مشیت اور مخلوق خدا کی ہدایت پر ہوتی ہے۔ انبیاءؑ کی دعوت اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے سوا قطعاً کوئی دوسری دعوت نہیں ہوتی ہے۔ انبیاءؑ کی تاریخ اور سیرت جاننے والے پورے یقین اور وثوق کے ساتھ یہ سمجھتے ہیں۔ کہ جس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور اس کا پورا مطمح نظر رب کے رسالات کی تبلیغ کے سوا کسی کی خدمتگزاری اور رضا جوئی ہے۔ تو وہ اللہ کا نبی نہیں ہے۔ بلکہ وہ جسکی خدمت کرتا ہے۔ اور جسکی رضا اور خوشنودی چاہتا ہے۔ اس کا ساختہ اور لگایا ہوا پودہ ہے۔ اور جس نے نبوۃ اور خدا کی وحی کا دعویٰ کیا۔ اور تشریع کا انکار کرتا ہے تو یہ فریب اور بنایا ہوا غیر شرعی مسودہ ہے۔ جیساکہ پنجاب کا متنبی نبوت اور وحی کا دعویٰ کرتا ہے۔ مگر کھلے الفاظ میں تشریع کا انکار کرتا ہے۔ اگرچہ اس کو اپنی وحی میں امر اور نہی کی تشریع کا بھی دعویٰ ہے۔ اور سرکار انگریزی کی خدمات پر فخر کرتا ہے۔ چنانچہ ستارۂ قیصرہ میں لکھتے ہیں۔ (اور مجھ سے سرکار انگریزی کے حق میں جو خدمت ہوئی وہ یہ تھی کہ میں نے پچاس ہزار کے قریب کتابیں اور رسائل اور اشتہارات چھپوا کر اس ملک اور دوسرے بلاد اسلامیہ میں اس مضمون کے شائع کئے کہ گورنمنٹ انگریزی مسلمانوں کی محسن ہے۔ لہذا ہر ایک مسلمان کا یہ فرض ہونا چاہئے کہ اس گورنمنٹ کی سچی اطاعت کرے اور دل سے اس دولت کا شکرگزار اور دعاگو رہے) واقعی ہم مسلمانوں کو یہ سمجھنا چاہئے کہ جس متنبی کا یہ حال ہے۔ کہ انگریزی گورنمنٹ کی اطاعت میں مذکورہ سرگرمی رکھتا ہے۔ اور تمام عمر اس کا شکرگزار اور دعاگو رہا ہے۔ اس کو یقیناً اللہ کی نبوت اور اللہ کے انبیاءؑ کے پیغمبرانہ منصب اور نبوت کے وظائف سے دور اور قریب کا کچھ بھی تعلق اور جوڑ نہیں ہے ______ ..

(باقی آئندہ)

ڈاکٹر عبدالکریم جرمانوس ہنگری

ڈاکٹر علی سلمان ۔ فرانس

سوئے اسلام جو ہم بادلِ دیوانہ چلے

الحاج ڈاکٹر عبدالکریم جرمانوس ہنگری کے مستشرق اور علم و ادب میں بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں، وہ پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے درمیان برصغیر ہندو پاک آئے تھے کچھ عرصہ ڈاکٹر ٹیگور کے شانتی نکیتن میں شریک رہ کر جامعہ ملیہ دہلی گئے جہاں انہوں نے بطیب خاطر اسلام قبول کیا۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کئی زبانوں کے ماہر ہیں خصوصاً ترکی میں سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ مشرقی علوم کا مطالعہ اسلام کیطرف آپ کی راہنمائی کا سبب ہوا تھا۔ (ادارہ)

میں اپنے عنفوانِ شباب کے زمانے میں برسات کی خوشگوار سہ پہر کو ایک مصور رسالہ پڑھ رہا تھا۔ اس کے صفحات پر عصر حاضر کے مباحث کے ساتھ ساتھ دلچسپ افسانے اور دور دراز ملکوں کے حالات چھپے ہوتے تھے۔ میں رسالے کے ورق الٹ پلٹ رہا تھا کہ نگاہ ایک تصویر پر اٹکی۔ یہ تصویر کچھ چھت دار مکانوں کی تھی، جا بجا کچھ گنبد اور مینار آسمان کیطرف بلند ہو رہے تھے۔ اور بہت سے آدمی زرق برق لباس پہنے سیدھی صفوں میں دو زانوں بیٹھے ہوئے تھے۔

تصویر کا منظر ہمارے مغربی مناظر سے بالکل مختلف تھا۔ اس لئے میری توجہ اس میں جذب ہو کر رہ گئی۔ ایک نامعلوم سی بے چینی پیدا ہوئی کہ اس تصویر کا مفہوم پیش کیا جائے۔

میں نے ترکی پڑھنا شروع کی مجھے بہت جلد یہ معلوم ہو گیا کہ ترکی ادب میں اس کے اپنے الفاظ بہت کم ہیں۔ اس کی نثر میں فارسی اور نظم میں عربی عنصر غالب ہے۔ اب میں نے ترکی کیساتھ عربی اور فارسی کی تحصیل بھی شروع کر دی۔ میرے سامنے یہ مقصد تھا کہ ان زبانوں کے ذریعہ سے اپنے آپ کو اس روحانی دنیا میں داخل ہونے کے قابل بنا سکوں جسکی تابناکیوں نے انسانیت کو جگمگا

دیا ہے۔

خوش قسمتی سے ایک مرتبہ موسم گرما کی تعطیلات میں مجھے بوسینیا کے سفر کا اتفاق ہُوا۔ یہ ایشیائی ملکوں میں ہمارا سب سے قریبی ملک ہے۔ وہاں میں نے ایک ہوٹل میں قیام کیا اور جیتے جاگتے، چلتے پھرتے مسلمانوں کو قریب سے دیکھنے لگا۔

رات کا وقت تھا، مدھم برقی روشنی سڑکوں پر پڑ رہی تھی میں ایک کم حیثیت کیفے میں داخل ہوا اندر معمولی اسٹولوں پر بیٹھے ہوئے دو بوسینی قہوے کا لطف اٹھا رہے تھے۔ وہ ترکوں کے روایتی گھیرے دار پائجامے پہنے ہوئے تھے۔ بو کمر پر سے پیٹیوں کے ذریعہ بندھے ہوئے تھے، ہر ایک کی پیٹی میں ایک خنجر لٹکا ہُوا تھا۔ پوشاک اور وضع قطع سے وہ فوجی معلوم ہوتے تھے۔ میں دھڑکتے دل کیساتھ ان سے کچھ دوری پر ایک اسٹول پر بیٹھ گیا۔

دونوں نے میری طرف متجسس نگاہوں سے دیکھا۔ میری رگوں میں خون منجمد ہو کر رہ گیا اور تمام قصے ذہن میں تازہ ہو گئے جو میں کتابوں میں مسلمانوں کے متعصبانہ تشدد اور عدم رواداری کی بابت پڑھ چکا تھا وہ دونوں آپس میں کچھ سرگوشی کر رہے تھے۔ اور یہاں تک میں سمجھ سکا موضوع سخن کیفے میں اس وقت میری غیر متوقع موجودگی تھی۔ مجھے ڈر لگنے لگا کہ کہیں وہ مجھے قتل نہ کر دیں۔ اس خطرناک ماحول سے میں نے نکل جانے کا ارادہ کیا لیکن مجھ میں اٹھنے کی سکت باقی نہ رہی تھی۔

میں اس پریشانی میں مبتلا تھا کہ ہوٹل کے ملازم نے خوشبودار قہوے کی ایک پیالی لاکر میرے سامنے رکھ دی اور ان خوفناک آدمیوں کیطرف اشارہ کیا کہ یہ انہوں نے بھیجی ہے۔ میں نے ان آدمیوں پر گہری نظر ڈالی اس پر ان میں سے ایک نے متبسم چہرے کیساتھ نرم اور شیریں آواز میں مجھے سلام کیا۔ میں نے بادلِ نخواستہ مصنوعی مسکراہٹ کیساتھ سلام کا جواب دیا۔ میرے دونوں مفروضہ دشمن اپنی جگہ سے اُٹھ کر میرے قریب آ گئے۔ مجھ کو یقین ہو گیا کہ وہ کم از کم مجھے کیفے سے نکال باہر کریں گے۔ لیکن انہوں نے پہلے سے کہیں زیادہ شیریں لہجہ میں سلام کیا اور میری چھوٹی میز کے سامنے بیٹھ گئے۔ ایک نے تپاک کیساتھ سگار پیش کیا۔ ان کے شریفانہ برتاؤ سے مجھے محسوس ہونے لگا کہ اس فوجی لباس کے اندر خلیق اور متواضع روح پوشیدہ ہے۔

انہوں نے سلسلۂ گفتگو شروع کیا۔ میں قدیم ترکی زبان میں ان کی باتوں کا جواب دیتا رہا۔ یہ بات چیت بڑے کام کی ثابت ہوئی۔ انہوں نے بڑے خلوص کیساتھ مجھے اپنے یہاں مدعو کیا۔ مسلمانوں سے ذاتی طور پر یہ میری پہلی ملاقات تھی۔

دن، مہینے، برس گوناگوں واقعات و حادثات اپنے دامن میں لیکر آتے اور گذرتے رہے، علم کا ہر مسئلہ اور زمانے کا ہر واقعہ مجھے ایک نئے تجربے سے دوچار کرتا رہا، میں نے یورپ کے تمام ملکوں کی سیاحت کی قسطنطنیہ یونیورسٹی میں تعلیم پائی۔ ایشیائے کوچک اور شام کی تاریخی یادگاروں اور قدرتی مناظر کی رعنائیوں کا مشاہدہ کیا اور عربی فارسی اور ترکی میں فارغ التحصیل ہو کر یونیورسٹی بوڈاپسٹ میں شعبۂ اسلامیات کا صدر مقرر ہو گیا

میں نے علم کے خشک و تر ذخیرے کا بڑا حصہ حاصل کر لیا جو صدیوں سے جمع ہوتا چلا آرہا تھا۔ ہزارہا کتابوں کی ورق گردانی کر ڈالی لیکن کتابی معلومات کا یہ سرمایہ میرے قلب کی تسکین کا سامان نہ کر سکا۔ دماغ سیراب تھا لیکن روح تشنہ تھی۔ میری دلی تمنا تھی کہ جو کچھ میں نے اب تک پڑھا ہے اسے یکسر فراموش کر کے دل کی داخلی کیفیت میں کھو جاؤں۔ میری روح مقدس مذہب کے سدا بہار چمن سے مشکبیز ہونا چاہتی تھی، میں چاہتا تھا کہ لوہار جس طرح کچے لوہے کو آگ میں تپاکر اسے فولاد کی شکل دیدیتا ہے۔ اسی طرح میرا علم روحانیت کے سوز سے زیادہ کارآمد اور بیش بہا بن جائے ——

ایک رات میں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آپؐ کی ریش مبارک حنا شدہ تھی (حضور علیہ السلام کی ریش مبارک کا قدرتی رنگ حنا شدہ بالوں کی طرح تھا۔) لباس سادہ اور پاکیزہ تھا اور اس میں سے ایک عجیب روح پرور خوشبو نکل رہی تھی۔ آپؐ نے نہایت دل پذیر لہجہ میں فرمایا:

"تم اتنے پریشان کیوں ہو۔ ؟ سیدھا راستہ تمہارے سامنے کھلا ہے۔ یقین اور ایمان کی قوت سے اس پر گامزن ہو جاؤ"

میں نے ہمت کر کے عرض کیا۔ "آپ جیسی عظیم ہستی کیلئے یہ بات بہت آسان تھی جسے خداوند تعالیٰ نے مافوق الفطرت طاقت عطا کی تھی جس نے منصب نبوت پر فائز ہو کر تائید غیبی سے اپنے دشمنوں پر فتح کامل حاصل کی اور جس کی مساعی پر خدا نے عظمت و جلال کا تاج رکھ دیا۔"

آپ نے ذرا تیز نگاہ سے میری طرف دیکھا۔ پھر کچھ تامل کے بعد ارشاد فرمایا۔ آپ کی عربی کچھ اسطرح فصیح اور پرشکوہ تھی کہ اس کا ہر لفظ خوشگوار بانگ درا کی مانند میرے کانوں میں پڑ رہا تھا۔ کلام الٰہی جو آپ کی پیغمبرانہ زبان سے ادا ہو رہا تھا۔ وہ میرے سینے پر ایک بھاری بوجھ ڈالے دیتا ہے۔

الم نجعل الارض مهداً والجبال اوتاداً وخلقناكم ازواجاً وجعلنا نومكم سباتاً۔

کیا ہم نے زمین کو فرش اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا اور تم کو جوڑے جوڑے پیدا کیا اور ہم ہی نے تمہارے سونے کی چیز کو راحت بنایا۔

اس کے بعد اچانک میری آنکھ کھل گئی میں نے کراہتے ہوئے کہا۔ اب مجھے نیند نہیں آسکتی۔ میں اس راز کو نہیں سمجھ سکتا جوان پردہ دل میں نہاں ہے۔ میرے منہ سے خوفناک چیخ نکل گئی۔ بے چینی سے کروٹیں بدلتا رہا، حضرت پیغمبر اسلام کی خشمگیں نگاہ سے میرے دل میں دہشت پیدا ہوگئی۔ پھر ایسا محسوس ہوا کہ مجھ پر گہری نیند طاری ہوگئی ہے۔ میں اچانک جاگ اٹھا رگوں میں دوران خون تیز ہوگیا تھا۔ سارا جسم پسینے پسینے ہو رہا تھا جوڑ جوڑ میں درد تھا۔ زبان گنگ ہو رہی تھی بے حد اضمحلال اور تنہائی کا احساس ہو رہا تھا۔

دوسرے جمعہ کو جامع مسجد دہلی میں ایک دوسرا منظر آنکھوں کے سامنے تھا، بھورے بالوں اور زرد چہرے کا ایک اجنبی چند محترم ہستیوں کیساتھ مجمع میں سے اپنا راستہ بناتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ میں ہندوستانی کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ سر پہ رامپوری ٹوپی تھی، سینے پہ سابق سلاطین ترکی کے عطا کردہ نشانات امتیاز آویزاں تھے۔ ایک مختصر سی جماعت مجھے لئے سیدھے منبر کے سامنے پہنچی یہاں علماء اور بزرگان ملت بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے بلند آواز سے " السلام علیکم " کہہ کر استقبال کیا۔ میں منبر کے قریب بیٹھ گیا۔ میری آنکھیں بلا ارادہ تھوڑی دیر کے لئے اٹھ کر مسجد کی تعمیری صنعتکاری اور محراب و در کی زیب و زینت کیطرف جم گئیں۔ درمیان کی بلند محراب پر شہد کی مکھیوں نے چھتے لگا رکھے تھے جن کے گرد وہ مجمع سے بے خبر چکر لگا رہی تھیں۔

یکایک اذان کی صدا بلند ہوئی جسے دوسرے مکبروں نے جو دوسرے مناسب مقامات پر استادہ تھے، اپنی صداؤں سے مسجد کے گوشے گوشے میں پہنچا دیا۔ اس الٰہی حکم پر تقریباً چار ہزار مسلمان سپاہیوں کیطرح اٹھ کھڑے ہوئے اور ایک دوسرے کے پیچھے قریب قریب صفیں جما کر بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ نماز ادا کی، یہ بڑا پرکیف اور حسین نظارہ تھا۔ نماز پڑھنے والوں میں ایک میں تھا۔

خطبہ ختم ہونے کے بعد عبدالحی ہاتھ پکڑ کر مجھے منبر کے قریب لے گئے زینے پر میرے قدم رکھتے ہی مجمع میں ایک حرکت پیدا ہوئی، پگڑیوں سے آراستہ ہزاروں سر لہلہاتے چمن زار کیطرح جنبش میں آگئے۔ سفید ریش علماء نے میرے گرد حلقہ سا بنا لیا ان کی پرشوق نگاہیں اور شگفتہ نورانی چہرے ہر ساعت میری ہمت بڑھا رہے تھے، میرے اندر جرأت و امنگ پیدا ہوگئی تھی۔ کسی جھجک کے بغیر میں نے منبر کے ساتویں زینے پر قدم رکھا۔

میں نے اچٹتی نگاہ سے مجمع کا جائزہ لیا جو مسجد کے آخری سرے تک بحر مواج کیطرح نظر آتا

تھا۔ پچھلی صفوں کے لوگ گردن اٹھا اٹھا کر مجھے دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ معلوم ہوتا تھا۔ جیسے انسانوں کے اس سمندر میں ہلکا سا طلاطم برپا ہوگیا ہے۔ یہ منظر دیکھ کر بعض لوگوں کے منہ سے بے ساختہ ماشاء اللہ نکل گیا میں نے اپنی تقریر عربی میں ان الفاظ سے شروع کی :

"ایہا السادات الکریم ! میں ایک دور دراز ملک سے سفر کرکے آیا ہوں۔ اس علم کو حاصل کرنے کے لیئے جو مجھے میرے وطن میں حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ میں آپ کے پاس روحانی فیضان حاصل کرنے آیا تھا۔ اور خدا کا شکر ہے کہ آپ نے مجھے اس سے مستفید فرمایا۔ اس کے بعد میں تقریر کے اصل موضوع کیطرف آیا ـــ

میں نے کہا :ـ

"مسلمانوں میں یہ بات عام ہے کہ بس خدا ہی جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے ، ہمارے چاہنے سے اور کرنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ لیکن قرآن یہ کہتا ہے کہ ہم نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی جس نے خود اپنی حالت کے بدلنے کی کوشش نہیں کی"

میں نے آیت کی تفسیر کرکے اس کا مفہوم و منشاء بیان کیا۔ اور تقویٰ کی زندگی اور گناہ و طغیان کے خلاف جہاد کرنے پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ تقریر کے دوران میں "اللہ اکبر" کے وجد آفرین نعروں سے فضا بار بار گونج اٹھتی تھی۔ بیان ختم کرکے میں وہیں منبر پر بیٹھ گیا۔ میرے دل میں جذبات کا طوفان اس طرح موجزن تھا کہ اس وقت کی کوئی اور بات سوائے اس کے یاد نہیں رہی کہ اسلم نے ہاتھ کے سہارے سے مجھے منبر سے نیچے اتارا اور مسجد سے باہر لے چلے۔

میں نے پوچھا کہ آخر اتنی جلدی کیوں ہے ؟ لیکن ذرا ہی دیر میں اس کا سبب معلوم ہوگیا باہر بے شمار لوگ بڑی بے تابی سے میرا انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے بڑی گرمجوشی کیساتھ مجھ سے مصافحہ اور معانقہ کیا۔ ناتواں اور عمر رسیدہ لوگ جو مجھ تک نہ پہنچ سکتے تھے۔ بڑی محبت کی نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ ہر شخص اپنے لیئے دعا کا خواستگار اور میرے ہاتھوں اور پیشانی کو بوسہ دینے کے لیئے بیقرار ہو رہا تھا۔ میں نے پوری قوت سے گھٹتی ہوئی آواز میں کہا :

"اے اللہ کے نیک بندو ! آپ مجھے اپنے اوپر اتنی ترجیح کیوں دے رہے ہیں۔ بیشمار حشرات الارض میں میرا بھی شمار ہے۔ میری مثال اس ایک پتنگے کی سی ہے جو روشنی کیطرف بڑھ رہا ہے"

اپنے ساتھ اللہ کے ان مخلص بندوں کی عقیدت و محبت دیکھ کر میرا دل عجز و ندامت سے پانی پانی ہوا جا رہا تھا۔

ڈاکٹر علی سلمان

فرانس کے ایک سربرآوردہ لیڈر اور عالم ڈاکٹر علی سلمان بنولسٹ نے اس موضوع پر کہ "میں نے اسلام کیوں قبول کیا" لکھا ہے کہ فرانس کے ایک معزز مسیحی کیتھولک خاندان سے تعلق رکھتے ہوئے اور ایک ڈاکٹر کی حیثیت میں مجھے تمدن و سائنس دانوں کے حلقوں میں زبردست اہمیت حاصل ہوئی اور مجھے اس بات کا موقع مل سکا کہ میں سائنسی ریسرچ اور تمدن کے نکات پر ملک کے چیدہ اور سربرآوردہ ماہرین سے مشورہ اور تبادلۂ خیال کر سکوں۔

عیسائی رہتے ہوئے میں خدا کا منکر نہ تھا۔ بلکہ میں عیسائی عقیدہ کے مطابق خدا کے وجود کا قائل تھا۔ لیکن جب تک میں عیسائی عقائد کا پابند تھا اور جب تک مجھ پر اسلام کے عقائد کی روشنیاں نہ پڑی تھیں اسوقت تک خدا کے وجود کا مسئلہ میرے لئے بہت مبہم بنا رہا اور جو شکوک و شبہات میرے ذہن میں خدا کے وجود کے متعلق ابھرتے رہے۔ ان کا ازالہ کبھی نہ ہو سکا۔ خدا کے وجود کے متعلق مسیحی عقیدہ نے میرے ذہن کو جو کچھ دیا وہ اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ میں اس مسئلہ میں آنکھیں بند کر کے ان عقائد کے مطابق جو پادریوں نے مجھے سکھاتے تھے خدا کے وجود کے متعلق ان کے نظریات کو تسلیم کر سکوں اور شکوک و شبہات کا ازالہ کرنے کے لئے کسی سے استفادہ نہ کر سکوں۔ دلائل کی تلاش نہ کروں اور تحقیق نہ کروں اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میرے شک و شبہات بڑھتے ہی رہے ـــــ اسلام قبول کرنے اور اسلام کے متعلق کچھ جاننے سے قبل بھی میں اسلام کے کلمۂ طیب کے پہلے جزو کا قائل تھا۔ یعنی اس حقیقت کو عیسائیت کے دور میں بھی تسلیم کرتا تھا۔ "لا الٰہ الا اللہ" یعنی عبادت کے لائق اللہ کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ اللہ کی ذات کے متعلق تحقیق کے دوران میں اس نظریے سے بہت متاثر ہوا جس کی تلقین قرآن شریف کی ۱۱۲ ویں سورۃ (سورہ اخلاص میں کی گئی) اور بتایا گیا ہے کہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے، نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ اس سے کوئی پیدا ہوا۔ نہ کوئی اس کا شریک اور ہمسر ہے۔

خدا کی ذات کے متعلق عیسائیت کے نظریۂ تثلیث نے میرے ذہن میں جو شکوک و شبہات پیدا کر دئے تھے سورہ اخلاص سے ان کا ازالہ ہو گیا اور پہلی مرتبہ سورہ اخلاص کی روشنی میں ہی اللہ